احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز
زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

جلد 22 شمارہ 8 شعبان ۱۴۲۹ھ اگست 2008ء

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد سلیم دانش

ڈپٹی ایڈیٹر
محمد یوسف

مجلس مشاورت
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
احمد نواز انجم
جی ایم ملک
ڈاکٹر محمد شاہد محمود
سید فرحت حسین شاہ

انچارج پرنٹنگ: شوکت علی قادری
گرافکس: محمد الیاس القادری
کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
ترسیل مینجر: امیر حسنین

www.minhaj.info
info@minhaj.info

قیمت فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ زر تعاون: 250 روپے

حسن ترتیب

اداریہ
''کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا'' — چیف ایڈیٹر — 3

القرآن
شب برأت اور رضائے الٰہی کا حصول — ڈاکٹر محمد طاہر القادری — 5

الحدیث
رحمتِ نبوی ﷺ کے قانونی زاویے — علامہ محمد معراج الاسلام — 13

الفقہ
آپ کے دینی مسائل — مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی — 18

دورہ صحیح مسلم
اصطلاحاتِ حدیث کا قرآن وحدیث سے استدلال — ڈاکٹر محمد طاہر القادری — 21

تاریخی حقائق
محسن انسانیت کا دین محبت آج سوالیہ نشان کیوں؟ — ڈاکٹر علی اکبر الازہری — 29

دعوت
احیائے اسلام کی جدوجہد سے وابستہ کارکنان کی خصوصیات — پروفیسر محمد رفیق — 37

سرگرمیاں
ورکرز کنونشن — رپورٹ — 45
تقریب ولیمہ۔۔۔صاحبزادہ حسین محی الدین قادری — 49
سیدنا صدیق اکبرؓ کانفرنس — 55

تعارف کتب
صاحبزادہ حسین محی الدین کی مختلف کتب کا تعارف — 52

خصوصی ہدایات
اعتکاف 2008ء — 58

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 51-1457 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان فون: UAN: 111-140-140 فیکس: 5168184

طابع: میاں مظفر احمد، ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

اے خدائے جمال و زیبائی
خوب ہے تیری عالم آرائی

تو کہاں ہے کہاں نہیں ہے تو
محو حیرت ہے تاب گویائی

سب میں موجود اور سب سے جدا
کون سمجھے یہ راز تنہائی

پارہ پارہ قبائے استدلال
ریزہ ریزہ ہے دام جویائی

کیا نظر آئے ماسوا کا جہاں
دیکھ کر تیری شان یکتائی

یاس میں غم میں اور مشکل میں
تیری رحمت ہی سب کے کام آئی

اعظم اس نام سے ہے گلشن میں
زندگی، تازگی و رعنائی

(محمد اعظم چشتی)

نعت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زباں محوِ ثنائے مصطفیٰ شام و سحر دیکھوں
میں یوں نخلِ تمنا کی ہری شاخِ ہنر دیکھوں
کہاں قابل ہیں میرے لب ثنا خوانی حضرتؐ کے
عطا و جُود کو میں نعت کے زیرِ اثر دیکھوں
مرے افکار سے آئے مہک ذکرِ محمدؐ کی
میں ہر اک سانس میں عشقِ محمدؐ جلوہ گر دیکھوں
نبیؐ کے جسمِ اطہر کی مہک ہر سمت پھیلی ہے
مدینے کے گلی کوچوں میں چاہے میں جدھر دیکھوں
کبھی پھر روضۂ جنت میں، میں کیفِ حضوری میں
کبھی محراب و منبر اور کبھی دیوار و در دیکھوں
برتی آنکھ میں رکھ کر مدینے کی فضاؤں کو
خوشا قسمت کہ میں خُلدِ بریں کی رہگذر دیکھوں
دیئے عشقِ رسالت کے مرے سینے میں جلتے ہیں
رواں ہونٹوں پہ ہر دم مدحتِ خیرالبشرؐ دیکھوں
چمن زارِ مدینہ کو فزوں تر خلد سے پاؤں
نبیؐ کے شہر کے ہر ذرے کو رشکِ قمر دیکھوں
تجلی ریز ہیں شہرِ محبت کے گلی کوچے
حصارِ نور میں روشن حَجر دیکھوں شجر دیکھوں
میں اشکوں سے اجالا کر لیا کرتا ہوں جب چاہوں
پریشاں خود کو پاؤں یا کبھی ژولیدہ سر دیکھوں
بنا کر زندگی میں رہنما سرکارؐ کی سیرت
میں اپنی منزلِ مقصود کو نزدیک تر دیکھوں
فقط سرکارِ دو عالمؐ کا ہے لطف و کرم تائب
ستارا اپنے بختِ ناز کا میں اوج پر دیکھوں

(عبدالغنی تائب)

القرآن

شب برأت اور رضائے الٰہی کا حصول

15 شعبان المعظم کی مناسبت سے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

ترتیب وتدوین
محمد یوسف منہاجین

حٰمٓ ٥ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ٥ اِنَّـآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ٥ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ. (الدخان: ا تا ۴)

"حا میم ٥ (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)۔ اس روشن کتاب کی قسم ٥ بے شک ہم نے اسے ایک با برکت رات میں اتارا ہے بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں ٥ اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔"

15 شعبان المعظم کی مبارک رات "شب برأت" کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قَسم کے ذریعے فرمایا ہے اور قَسم "حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے مبارک کلمات سے کھائی۔

حٰمٓ، حروف مقطعات میں سے ہے۔ سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ مخفی علوم میں سے ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اُن کے حسب حال عطا فرماتا ہے۔ اہل اللہ/ عرفاء نے اس کے معنی، مفہوم اور مراد کے لئے مختلف ارشارات دیئے ہیں۔

حٰمٓ سے مراد

ا۔ امام ابوالقاسم قشیریؒ نے بیان کیا ہے کہ حٰمٓ میں حاء (ح) بھی قَسم ہے اور میم (م) بھی قَسم ہے۔ حاء (ح) کی قَسم اللہ کے اُس حق کی طرف اشارہ ہے جو بندوں پر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ "مجھے اپنے اس حق کی قسم جو میرا بندوں پر ہے"۔۔۔ میم (م) سے "محبت" کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا "مجھے اپنی اس محبت کی قسم جو مجھے بندوں سے ہے"۔ گویا اپنے حق اور اپنی محبت کی قسم کھائی۔

جس سے محبت ہوتی ہے اُس پر حق بھی ہوتا ہے۔ ماں باپ، اولاد سے محبت کرتے ہیں، شفقت کرتے ہیں، پالتے ہیں، اس محبت میں اولاد کی تکالیف اٹھاتے ہیں، محبت میں اپنا سب کچھ اولاد کے لئے لٹاتے ہیں اور اس محبت میں اولاد کا مستقبل بناتے ہیں۔ اسی لطف و احسان، کرم اور محبت و شفقت کے نتیجے میں اولاد پر اتنا ہی حق بھی ہوتا ہے اور اولاد پر ماں باپ کے حق کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

محبت اور حق کے درمیان تلازم کا رشتہ ہے، یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ محبت سے حق جنم لیتا ہے اور حق سے محبت جنم لیتی ہے۔

ارشاد فرمایا "حٰمٓ" "لوگو میرا جو تم پر حق ہے مجھے اس حق کی قسم۔۔۔ مجھے تم سے جو محبت ہے مجھے اس محبت کی قسم"۔ انسان "ظَلُوْمًا جَهُوْلًا" ہے نہ اسے اللہ تعالیٰ کے حق کی پہچان رہی ہے جو اس پر قائم تھا اور نہ اسے اللہ کی اس محبت کا ادراک رہا ہے جو اللہ کو بندے سے ہے۔ یہ اللہ کے بندے پر اس حق کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ

بندے تو مجھے پکارا کر اور تو میری طرف آ۔۔۔ اور اللہ کی جو بندے سے محبت ہے یہ اس محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ تو اگر میری طرف ایک قدم آئے گا تو میں تیری طرف 70 قدم آؤں گا۔۔۔ اگر تو میری طرف چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا۔ اللہ کا جو بندے پر حق ہے، اس حق کی وجہ سے فرماتا ہے کہ تو مجھ سے معافی مانگ، توبہ کر۔۔۔ اور اللہ کی جو بندے سے محبت ہے یہ اس محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ توبہ کرکے، معافی مانگ کر 70 بار بھی توڑ لے، پھر مانگ لے تو پھر بھی معاف کردوں گا۔ یہ عمل وہی کرتا ہے جس کو محبت ہوتی ہے۔ یعنی اگر تو اپنی توبہ 70 بار بھی توڑے تو مجھ سے مایوس نہ ہونا، میں پھر بھی معاف کردوں گا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ تعلق کسی نہ کسی طرح قائم رہے، ٹوٹنے نہ پائے۔

اس لئے قسم کھائی کہ اے بندے تجھے کیا خبر کہ وہ حق کیا ہے؟۔۔۔ اور تجھے کیا خبر کہ وہ محبت کیا ہے؟۔۔۔ مجھے اس حق کی قسم جو تجھ پر ہے۔۔۔ اور اس محبت کی قسم جو مجھے تجھ سے ہے۔

۲۔ حٰــــمٓ کی وضاحت میں شیخ روز بہان بقلی شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ حاء (ح) سے مراد اللہ کی وہ وحی خاص ہے جو بغیر واسطہ جبرائیل کے براہ راست حضور ﷺ پر نازل کی گئی، براہ راست حضور ﷺ سے خطاب کیا گیا اور اس خطاب میں نہ جبرائیل واسطہ تھے اور نہ جبرائیل سمیت کسی اور مخلوق کو خبر تھی۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى. (النجم: ۱۰)

''پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی''۔

''میم'' (م) سے مراد ''محمد ﷺ'' ہے۔ فرمایا کہ مجھے قسم ہے اپنے اس کلام خاص کی جس کی کسی کو خبر نہیں اور قسم ہے مجھے اپنے حبیب محمد ﷺ کی جن سے براہ راست میں نے کلام کیا۔ پھر فرمایا

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ.

''قسم ہے اس کتاب کی جو میں نے واسطے کے ذریعے اتاری''۔

پس اللہ فرمارہا ہے کہ قسم ہے اس وحی کی جو بغیر واسطے کے محبوب ﷺ کو دی اور قسم ہے اس وحی کی جو واسطہ جبرائیل سے کتاب کی شکل میں دی۔

لیلۃ مبارکۃ سے مراد وجود محمدی ﷺ

☆ پھر ارشاد فرمایا:

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ.

''''حا میم ○ (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)۔ اس روشن کتاب کی قسم ○ بے شک ہم نے اسے ایک با برکت رات میں اتارا ہے''۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ''لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ'' (برکت والی رات) سے مراد حضور ﷺ کا وجود اطہر ہے، یعنی مجھے اس کتاب روشن کی قسم جو میں نے برکت والے وجود محمدی ﷺ میں نازل کی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے وجود اقدس کو ''لیلۃ مبارکۃ'' رات کیوں کہا؟ دن کیوں نہیں کیا؟

حضور ﷺ کے وجود اطہر کو رات اس لئے کہا ہے کہ حضور ﷺ کے وجود میں روح کا وہ سورج چمک رہا ہے کہ اگر وہ جسم کے پردوں میں چھپا ہوا نہ ہوتا تو جو دیکھتا برداشت نہ کرسکتا اور اس کی بینائی ختم ہوجاتی۔ اشارہ اس امر کی طرف فرمایا کہ حضور ﷺ کی روح کے نور کا سورج جو اندر چمک رہا ہے اس کے اوپر جسم کے پردوں نے ایک کیفیت پیدا کر رکھی ہے جس کی وجہ سے میرے بندے،

میرے محبوب ﷺ کو دیکھ سکتے ہیں۔ رات اصل میں سورج پر ایک پردہ ہے۔ رات خود اندھیری نہیں ہوتی، نہ دن کی اپنی کوئی روشنی ہے اور نہ رات کا اپنا کوئی اندھیرا ہے۔ جہاں سورج نظر آیا وہ دن کہلایا اور جہاں سورج چھپ گیا وہ رات کہلائی۔ یہ تو نظر آنے اور چھپنے کی بات ہے۔ حضور ﷺ کا باطن دن ہے، جسم اطہر رات ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے باطن کے مطلع پر حضور ﷺ کی روح کے انوار کا سورج چمک رہا ہے اور اس نور کا عالم یہ ہے کہ مالائے اعلیٰ، سدرۃ المنتہیٰ اور عرش معلیٰ کے انوار بھی اس نور کے سامنے ہیچ ہیں، اس کے سامنے بجھ جاتے ہیں۔ نورِ روحِ محمدی ﷺ جو باطن کے مطلع پر چمک رہا ہے اگر وہ اس دنیا میں ظاہر ہوجاتا تو پھر حضور ﷺ کو کوئی نہ دیکھ سکتا۔۔۔ عالم ہی جل جاتا۔۔۔ آنکھیں جل جاتیں۔۔۔ دنیا جل جاتی۔۔۔ نہ کوئی پیروی کرسکتا۔۔۔ نہ کوئی اطاعت ہوتی۔۔۔ نہ کسی کو شریعت ملتی، نہ کوئی اسوہ بنتا لیکن چونکہ مقصود جلانا نہ تھا بلکہ مقصود جلانا (روشن کرنا) تھا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس نور کے سورج کو سراجاً منیراً کہا ہے۔ اسی سورج کو اندر رکھا اور جسم کے پردوں سے چھپادیا اور اس قابل بنادیا کہ اللہ کے وہ بندے جن سے اس کو محبت ہے وہ اس کے حبیب ﷺ کو دیکھ سکیں۔ اللہ فرما رہا ہے کہ

"مجھے قسم ہے حق کی، قسم ہے مجھے اپنی محبت کی، قسم ہے اس کتاب روشن کی جس کو میں نے وجود محمدی ﷺ کے پردوں میں اتارا ہے"۔

نزولِ قرآن شبِ قدر یا شبِ برأت

إِنَّآ أَنزَلْنَـٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَـٰرَكَةٍ.

"ہم نے یہ کتاب بابرکت رات میں اتاری ہے"۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس بابرکت رات سے مراد شعبان المعظم کی 15 ویں رات ہے جسے ہم شب برات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اس رات 15 شعبان المعظم میں اتارتا رہا۔

جبکہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَـٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ. (سورۃ القدر: ۱)

"بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا ہے"۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ 15 شعبان کی رات کو قرآن پاک نازل ہوا یا لیلۃ القدر میں؟

اب دونوں روایات واحادیث کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے بیت العزت پر لیلۃ القدر میں سارا قرآن یکبارگی نازل فرمادیا اور پھر بیت العزت سے آسمان دنیا پر 15 شعبان المعظم کی رات پورے سال میں جتنا قرآن حضور ﷺ پر نزول فرمایا جانا ہوتا اتنا حصہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دے دیا جاتا اور پھر وہ حصہ اپنے اپنے مقررہ وقت اور مقررہ دن اور مقررہ ضرورت کے مطابق جبرائیل امین اللہ کے امر سے لے کر حضور ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرماتے رہے۔

شبِ برأت۔۔۔ بجٹ کی رات

یہ تطبیق اگلی آیت مبارکہ سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ..

"یہ وہ رات ہے کہ اس میں حکمت والے تمام کاموں کو جدا جدا کرکے دیا جاتا ہے"۔

نزول قرآن اور اللہ تعالیٰ کے حکمت والے امر جو انسانوں کی زندگی سے متعلق ہیں، ان کے درمیان تعلق یہ ہے

نماز کیلئے دو طرح کا وضو کریں ایک وضو پانی سے ہو اور دوسرا توبہ سے۔ ہر عضو کو دھوتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں اس عضو سے سرزد ہونے والے گناہوں کی معافی طلب کریں

کہ ایک طرف اس رات کی نسبت پورے سال بھر کے ضرورت کے مطابق قرآن مجید کے نازل ہونے سے ہے۔ ابن عطاء اللہ سکندریؒ اور دیگر عرفاء کاملین نے بیان کیا ہے کہ اس رات کی برکت کے باعث ملائکہ کا ملائے اعلیٰ میں ہجوم ہوجاتا ہے اور سارے فرشتے اجتماع منعقد کرتے ہیں۔ اجتماع ملائکہ کی وجہ سے برکتیں عرش معلیٰ سے لے کر تحت السرآء تک اس پوری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔ کائنات برکتوں کے ساتھ معمور ہوجاتی ہے۔ جیسے اس رات میں قرآن اگلے سال کی ضرورتوں کے مطابق اتار دیا جاتا تھا اسی طرح دوسری طرف اس رات میں لوح محفوظ پر لکھی ہوئیں تقدیریں، لوگوں کے رزق، زندگی، موت، اولاد، صحت، بیماری، خوشحالی و تنگدستی کے وہ احکامات جن کا اللہ تعالیٰ نے اگلے سال انسانوں کی زندگی میں نفاذ کرنا ہوتا ہے، تقدیر کے جو جو حکم زمین پر اترنے ہوتے ہیں اس رات لوح محفوظ سے اتار دیئے جاتے ہیں اور پھر ملائکہ جو مقدارت الامر ہیں جیسے جیسے مقررہ وقت آتا ہے، جس جس حکم کے اجراء کا وقت آتا ہے، اسے لے کر اللہ کے حکم سے زمین پر اترتے ہیں اور نافذ کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا سال بھر کے احکام کی مکمل فائل اس رات اتار دی جاتی ہے۔

چونکہ یہ رات آنے والے سال کے بارے میں کُل حکمت والے کاموں کے فیصلے کی رات ہے، اس کے بعد اجراء و نفاذ ہوگا، زمین پر ہماری زندگی کے لئے نزول ہوگا اس لئے حکم دیا کہ لوگ جاگ کر اس کی بارگاہ سے اپنے لئے خیر و بھلائی کو طلب کریں۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے سال بھر کے احکام کی مکمل فائل اتار دی اور یہ حـــم میں جو قسم ''حق'' کی کھائی گئی اس کی طرف اشارہ ہے کہ حق، فائل کی صورت میں اتر گیا کہ اس سال میں کیا کیا ہوگا۔ اس کو بجٹ کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر ملک اپنے ایک سال کا بجٹ بناتا ہے کہ کس مد میں کس طرح، کب اور کیا خرچ کرنا ہے اور کہاں سے آمدنی ہے اور بجٹ منظور ہونے کے بعد اپنے اپنے مقررہ وقت پر ان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ بلاتشبیہ و بلامثال شب برأت میں انسانوں کے لئے اللہ بجٹ پاس کرتا ہے کہ کس کو کیا کیا دینا ہے؟

حـــم میں دوسری قسم اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی ''محبت'' کی کھائی اور اپنے بندوں سے محبت اس طرح کی کہ ایک طرف پورے سال کی فائل بھیج دی اور ساتھ حضور ﷺ سے فرمایا کہ اپنی امت سے فرمادیں کہ آج میں نے بجٹ پاس کرنا ہے آج رات جاگ لیں اور مجھ سے مانگ لیں۔

حق کا تقاضا یہ تھا کہ مکمل فائل اتار دی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ امت محمدی ﷺ کو بتادیا کہ آج بجٹ پاس ہونے والی رات ہے آج نہ سوئیں، ایسا نہ ہو کہ میں ان کا بجٹ پاس کررہا ہوں اور وہ غفلت کی نیند سو رہے ہوں۔

پس آج رات وہ اپنا دھیان، توجہ میری طرف لگائیں، قیام و سجود کریں، عبادت کریں، استغفار کریں اور جو مانگنا ہے آج کی رات مجھ سے مانگ لیں۔ گویا بتا بھی دیا اور جگا بھی دیا۔

اس سے بڑھ کر رب نے بندوں سے محبت کا

اظہار اس طرح کیا کہ حدیث قدسی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

نصف شعبان کی رات اللہ تعالیٰ خود بھی آسمان دنیا پر آجاتا ہے اور پھر اللہ ندا دیتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ میں اس کی جھولیاں بھر دوں۔۔۔ ہے کوئی رونے والا کہ میں اس کی بدبختی کو خوش بختی میں بدل دوں۔۔۔ ہے کوئی مجھ سے رزق مانگنے والا کہ میں اس کے رزق میں اضافہ کردوں۔۔۔ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ اس کے گناہ معاف کردوں۔۔۔ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ اس کی حاجت کو پورا کردوں۔

رضائے الٰہی کا حصول بذریعہ نماز

15 شعبان المعظم کی رات اس سے مانگنے، اس سے طلب کرنے، اس کو راضی کرنے کی صورت کیا ہو؟ یاد رکھ لیں کہ مولیٰ کو راضی کرنے کی صورت نماز ہے۔ کونسی نماز؟۔۔ حضرت حاتم اصمؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں دو وضو کرتا ہوں۔ ایک وضو پانی سے کرتا ہوں اور اس وضو کے دوران ایک وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ توبہ سے وضو کرنے کے لئے جب پانی سے ہاتھ دھوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح میرے ہاتھ دھل گئے، اس طرح میرے ہاتھوں کے گناہ بھی دھو دے، معاف فرمادے اور آئندہ میرے ہاتھوں کو گناہوں سے پاک کردے۔

جب کلی کرتا ہوں تو دعا کرتا ہوں کہ مولا جس طرح میں نے اپنے منہ، دانتوں، زبان اور حلق کو پاک صاف کرلیا، آج میرے منہ کے گناہ بھی دھو دے اور آئندہ اس توبہ کے پانی سے وہ پاکیزگی عطا کر کہ میرا منہ اور میری زبان بھی گناہ سے پاک ہوجائیں۔

ہم زبان سے گناہ کرتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں، غیبت، چغلی، بہتان، مذاق اڑانا، تذلیل کرنا، برا بھلا کہنا یہ سب زبان کے گناہ ہیں اس سے زبان پلید ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح جسم اور لباس کے نجس ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی اسی طرح اگر زبان نجس اور پلید ہو تو اس سے اللہ کا ذکر تلاوت اور دعا کیسے قبول ہوگی۔

لوگو! سمجھ لو ساری خیر کا منبع زبان ہے۔ زبان سے ہی خیر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب آپ ہاتھ دھوئیں تو توبہ کے پانی سے ہاتھوں کو یوں پاک کرلیں کہ ہاتھوں کے پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں، آئندہ ہاتھوں کو گناہ سے پاک کرلیں۔۔۔ اب اس ہاتھ سے کم نہیں تولنا۔۔۔ اس ہاتھ سے کسی پر ظلم نہیں کرنا۔۔۔ اس ہاتھ کو گناہ کے لئے نہیں اٹھانا کیونکہ ہاتھ پاک ہوگئے، زبان پاک ہوگئی۔

اسی طرح جب چہرے کو دھویا تو دل کی زبان سے، دھیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ باری تعالیٰ میرے چہرے کے گناہ بھی دھودے۔۔۔ اس چہرے میں آنکھیں ہیں تو آئندہ آنکھیں گناہ نہ کریں، اس شے کو نہ دیکھیں جس کو دیکھنا گناہ ہے۔۔۔ جب چہرے کا توبہ کے ساتھ وضو کرلیا تو آئندہ رخ کسی گناہ کی طرف نہ ہو۔۔۔ اب یہ دھیان کی بات ہے۔۔۔ دھیان کو جتنا حاضر رکھیں گے اتنا توبہ سے وضو ہوگا اور اگر دھیان حاضر نہیں ہوگا تو توبہ حاضر نہیں ہوگی۔۔۔ دھیان نہ ہونے کی صورت میں پانی والا وضو ہوگا، توبہ والا وضو نہیں ہوگا۔۔۔ اس طرح جب بازو دھوئیں گے تو بازوؤں کے گناہ ختم ہونے کی دعا کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کریں۔

پس وضو کے دوران جس جس عضو کو دھوئیں گے یا مسح کریں گے اس اس عضو کو دھوتے ہوئے اپنے ہر اس وضو کو گناہ سے پاک کرتے چلے جائیں۔ جب کانوں

کا مسح کریں گے تو دعا کریں کہ باری تعالیٰ آج کے بعد میں توبہ کرتا ہوں کہ میرے کان کوئی غیبت نہ سنیں گے۔۔۔ میرے کان گناہ کی آواز نہ سنیں گے۔۔۔ میرے کان کسی کی چغلی نہ سنیں گے۔۔۔ میرے کان کوئی ایسی آواز، گفتگو نہ سنیں جس کے سننے سے تو ناراض ہو جائے۔

پس اس طرح ہاتھ، منہ، زبان، چہرہ، آنکھیں، کان کو گناہ کرنے سے روک دیا اور جب پاؤں دھونے کا مرحلہ آیا تو اسی طرح پاؤں کو گناہوں سے روک دیا۔

پس حضرت حاتم اصمؒ کا وضو اس طرح کا تھا۔

ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ہر روز، ہر نماز میں، ہر وضو میں اس طرح پانی کے وضو کے ساتھ ساتھ توبہ سے بھی وضو کریں۔

پس جب توبہ سے وضو کرلیا اور ظاہر و باطن کو دھولینے کے بعد پاک کرلیا۔ غلاظت، نجاست، میل کچیل کو دور کردیا تو اس کے بعد عملی زندگی میں بھی اس کا رنگ نظر آنا چاہئے۔ جس وضو نے آپ کے من کو، طبیعت کو، باطن کو ہلکا نہ کیا تو اس وضو کا کیا فائدہ؟ پس وضو کے ساتھ گناہ بھی دھلنے چاہئے۔

حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ قیامت کے دن اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں انہیں ان کے وضو والے اعضاء سے پہچانوں گا۔۔۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ وضو والے اعضاء کی کیا پہچان ہوگی؟۔۔۔ فرمایا: میری امت کے وہ لوگ جو وضو کرتے ہوں گے، ان کے اعضاء سے نور نکل رہا ہوگا۔

پس وضو ایسا ہونا چاہئے کہ اعضاء منور ہوجائیں ایسا وضو تب ہوگا کہ جب وضو شروع کریں تو اس کے ساتھ ہی لذت و کیفیت شروع ہوجائے کہ مالک کی بارگاہ میں جانے کی تیاری ہورہی ہے۔ جب تیاری کا تصور آجائے تو پھر مکمل دھیان جہاں جانا ہے وہاں لگا رہتا ہے۔ پس سارا دھیان وضو کے اندر مرکوز ہوجانا چاہئے۔

حضرت حاتم اصمؒ مزید فرماتے ہیں کہ

اس توبہ کے وضو کے ساتھ جب میں نماز کے لئے مصلیٰ پر کھڑا ہوتا ہوں تو میں چہرے کے سامنے کعبۃ اللہ کا تصور کرتا ہوں اور خیال/ تصور کی آنکھوں سے کعبۃ اللہ کو دیکھتا ہوں۔۔۔ ہمیں ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی نماز کے دوران یہ تصور کریں کہ انوار و تجلیات اتر رہی ہیں۔۔۔ کعبہ کا سیاہ غلاف حرم پاک میں عجب نور بھرا سماں پیدا کررہا ہے۔۔۔ اور آپ کی آنکھیں نورانی غلاف کعبہ و در کعبہ پر جڑی ہیں۔

شیخ حاتم فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنے دو ابرو کے درمیان مقام ابراہیم کا تصور کرتا ہوں۔۔۔ پھر اپنی دائیں طرف جنت کو دیکھتا ہوں اور بائیں طرف دوزخ کو دیکھتا ہوں۔۔۔ اور نماز میں جس مقام پر کھڑا ہوتا ہوں، جہاں میرے قدم ہوتے ہیں، میں وہ قدم پل صراط پر دیکھتا ہوں کہ پل صراط پر کھڑا ہوں۔

ذرا تصور کریں کہ جب پل صراط پر قدم ہوں تو انسان کو ہر لحہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں پھسل نہ جاؤں۔ یعنی جب نماز میں کھڑے ہوں تو اس طرح آپ یکسو ہوں، اتنے متوجہ ہوں، اتنے محتاط ہوں اور اس احتیاط اور توبہ میں اتنے غرق و فنا ہوں کہ گویا پل صراط پر کھڑے ہیں۔

شیخ حاتم فرماتے ہیں کہ نماز میں، میں اپنے پیچھے ملک الموت کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے پہنچ چکا ہے اور یہ نماز آخری مہلت ہے، وہ روح قبض کرنے والا ہے پس میں نماز اس کیفیت میں پڑھتا ہوں کہ زندگی کی آخری نماز ہے۔

اب آپ سوچیں کہ اگر تصور میں یہ آجائے کہ یہ نماز زندگی کی آخری نماز ہے تو انسان اس نماز کی ادائیگی

میں کیا کسر چھوڑے گا۔ پس اس کیفیت کو نماز میں پیدا کرلیں۔ جب اس کیفیت و تصور کے ساتھ نماز میں داخل ہوجائیں تو نماز بدل جاتی ہے۔

دورانِ نماز تصور و کیفیت

شیخ حاتم اصمؒ نے نماز میں داخل ہونے تک رہنمائی فرمادی اب آگے دوران نماز کیا کیفیت اور تصور ہونا چاہئے اس بارے آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

جب تکبیر تحریمہ کی صورت میں اللہ اکبر کے الفاظ کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کریں تو یہ تصور کریں کہ پوری کائنات و مافیھا سے اللہ کی تعظیم میں ہاتھ اٹھا لئے باری تعالیٰ میں نے تیری تعظیم میں ہر شے سے ہاتھ اٹھالئے۔۔۔ سو میرا دل بھی ہر شے کی محبت سے اٹھ جائے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد جب حالت قیام میں آئے تو یہ قیام اللہ کی بارگاہ میں حرمت و ادب ہے۔ اس کی بارگاہ میں حضوری کے ساتھ ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہونا جیسے غلام، آقا کی بارگاہ میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح قیام اس کی بارگاہ میں حرمت و ادب کے ساتھ کھڑے ہونے کا نام ہے۔ اب ماسواء اللہ آپ کے تصور/ دھیان میں کوئی شریک نہیں رہا اور دست بستہ غلام بن کر مولیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوجائیں۔

اس کے بعد الحمدللہ رب العالمین کے الفاظ کے ساتھ بندہ رب سے کلام کا آغاز کرتا ہے۔ قرات کے آغاز سے اللہ کے ساتھ اللہ والوں کی سرگوشیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ درج بالا تمام کیفیات اپنے اوپر طاری کر کے بندہ رب سے بات کرتا ہے۔۔۔ الحمدللہ رب العالمین۔۔۔ سارے حسن تیرے۔۔۔ سارے جمال تیرے۔۔۔ ساری خوبیاں تیری۔۔۔ سب تعریفیں تیری۔۔۔ گویا اس طرح اللہ سے مناجات کا آغاز ہورہا ہے۔ ہاتھ باندھ کر، یکسو ہوکر دل کی زبان سے آہستہ سے کہہ رہے ہیں۔۔۔ مولیٰ سب خوبیاں تیری، سب حسن تیرے۔۔۔ سب جمال تیرے۔۔۔ سارے کمال تیرے۔۔۔ تو ہی سب کچھ ہے۔۔۔ الرحمن الرحیم۔۔۔ مولیٰ تو بڑی رحمت والا ہے۔ یہ نہیں کہہ رہے کہ مجھے معاف کردے کیونکہ یہ کہنا ادب نہیں ہے۔ نماز اب خود سراپا سوال بن گیا۔ جب یہ کہہ دیا کہ مولیٰ تیری کتنی بڑی رحمت ہے، تو رحمٰن رحیم ہے تو کافروں پر بھی رحمت کرتا ہے۔۔۔ اب اپنے اوپر رحم کرنے کی دعا نہیں مانگ رہے۔۔۔ اس لئے کہ اللہ خود سمجھ رہا ہے۔۔۔ مولیٰ تو کافروں پر بھی رحمت کرتا ہے میں تو پھر بھی گناہ گار ہوں۔۔۔

مالک یوم الدین۔۔۔ تو یوم جزاء وسزاء کا مالک ہے۔۔۔ تو معاف کردے تو تیری رحمت ہے، میرا کوئی حق نہیں۔۔۔ معاف نہ کرے گرفت کرے تو، تو مالک ہے۔۔۔

ایاک نعبد وایاک نستعین۔۔۔ مولیٰ میرا کیا ہے؟ میری تو بندگی بھی تیرے لئے ہے، میں تو بندہ ہی تیرا ہوں۔۔۔ اور کس سے جا کر مانگوں۔۔۔ جب بندہ تیرا ہوں تو سائل بھی تیرا ہوں۔

اھدنا الصراط المستقیم۔۔۔ سیدھی راہ دکھا۔۔۔ کونسی راہ؟ مولیٰ مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ سیدھی راہ کونسی ہے؟۔۔۔ وہ جو تیرے بندے ہیں، وہ جو تیرے پیار میں ہیں۔۔۔ جو تیری محبت میں ہیں۔۔۔ جن پر تیری نعمتیں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ جن پر تیرے کرم کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ مولیٰ اس راہ پر مجھے بھی چلا دے۔۔۔ اور جن سے تو ناراض ہوتا ہے مجھے ان سے دور کردے۔۔۔ اور جو بہک کر تجھے چھوڑ چکے ہیں، ان سے تو میرا واسطہ ہی نہ ہونے دے۔

یہ اللہ سے سرگوشیاں ہورہی ہیں۔ نماز ایسی پڑھیں کہ مولیٰ سے راز و نیاز کی باتیں ہوں۔ اس طرح

فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھیں۔ پھر رکوع ہے۔۔۔ رکوع، تواضع کا نام ہے۔۔۔ عاجزی میں جھک گئے۔ اس طرح سجود، تذلل کا نام ہے۔۔۔ خشوع و خضوع کی انتہا ہے۔۔۔ سر زمین پر رکھ دیا۔۔۔ مولیٰ تیرا بندہ ہوں۔۔۔

جبین تیرے آستانہ پر رکھی ہے اب تیری مرضی۔۔۔
دیکھے یا نہ دیکھے یہ تو محبوب کا حق ہے

اس طرح نماز کے ارکان و رکعتیں مکمل ہوتی

جب توبہ سے وضو کرلیا اور ظاہر و باطن کو دھو لینے کے بعد پاک کرلیا۔ اس کے بعد عملی زندگی میں بھی اس کا رنگ نظر آنا چاہیے

جائیں۔ گویا تشہد میں بیٹھنے سے قبل اللہ کو سب مناجات، ادب و احترام، حرمت و تعظیم، تواضع، بندگی، تذلل، خشوع خضوع، جو کچھ پاس تھا پیش کردیا۔

آخر پر منگتے کی منت و سماجت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ساری التجائیں کرتے کرتے واسطے پر آجاتا ہے کہ مولیٰ اگر میری ان التجاؤں میں پھر بھی کوئی کمی رہ جائے تو مولیٰ اس کے واسطے سے قبول کرلے اور معاف کردے۔

پس جب تشہد میں بیٹھیں تو اپنی قبولیت کا واسطہ اور وسیلہ ادب و احترام سے بیٹھ کر اس طرح پیش کریں۔۔۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔ ''یارسول اللہ ﷺ آپ پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں''۔

بیٹھے اللہ کی بارگاہ میں ہیں مگر سلام حضور ﷺ پر بھیجیں۔ پھر اپنے ایمان کی گواہی/ شہادت دیں اور اس کے بعد پھر اللہ کو راضی کرنے کے لئے حضور ﷺ پر درود وسلام کہیں۔

پھر حضور ﷺ کو راضی کرنے کے لئے درود میں حضور ﷺ کی آل پر سلام پڑھیں۔۔۔ منگتوں کے پاس راضی کرنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ پس اللہ کو راضی کرنے کے لئے حضور ﷺ کا واسطہ دے دیا۔۔۔ حضور ﷺ پر سلام بھیجا۔۔۔ پھر حضور ﷺ کو راضی کرنے کے لئے اہل بیت پر سلام بھیجا۔

اور آخر میں جب سلام پھیریں تو سلام، شکر میں کریں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔۔۔ یہ سلام شکر بن جائے۔۔۔ کہ مولیٰ تیرا شکر کہ تو نے اتنی دیر اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت دی۔

اس نماز کو معراج قرار دیا گیا ہے۔ یہ نماز وہ تحفہ ہے جو حضور ﷺ کو مقام قاب توسین پر شب معراج عطا ہوا۔ باقی بیشتر عبادتیں زمین پر اتریں، نماز اور روزہ یہ دو عبادتیں اللہ نے حضور ﷺ کو ''قاب قوسین او ادنی'' کے مقام پر معراج کی رات عطا کیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصلاۃ معراج المومنین۔ ''نماز مومنین کی معراج ہے''۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

جُعِلَت قُرَّۃُ عَینِی فِی الصَّلَاۃِ.

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔

پس جو نماز میں جتنی محنت کرلے گا، معراج کا اتنا حصہ پالے گا۔ نماز کو سنوارنا دراصل نماز کو معراج بنانا ہے۔۔۔ اور نماز معراج کیسے بنتی ہے؟ اس کے لئے توبہ کا وضو اور دھیان و تصور کو یکسو کرنا ہوگا۔ پس نماز توبہ بھی ہے۔۔۔ نماز قبولیت بھی ہے۔۔۔ نماز قربت بھی ہے۔۔۔ نماز دیدار بھی ہے۔۔۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب نماز سراپا بندگی بن کر ہو۔ پس 15 شعبان المعظم کی رات ہمیں ایسی نماز کو اپنا شعار بنانے کا عہد کرنا ہوگا اور ہر نماز کو اسی کیفیت و سرور سے ادا کرنا ہوگا۔ نماز کا اسی کیف و سرور سے ادا کرنا ہی اصل میں پیغام شب برأت ہے۔

Scanned with CamScanner

الحدیث

رحمتِ نبوی ﷺ کے قانونی زاویے

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا، مَنْ سَاَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْاَلَتِهِ. (بخاری، کتاب الاعتصام)

''مسلمانوں میں اس شخص کا جرم سب سے بڑا ہے، جس نے حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، حالانکہ وہ چیز مسلمانوں پر حرام نہیں تھی، مگر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی''۔

خلاصہ

انسان، اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہے، اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کی عبادت اور اطاعت کرے اور اپنے ذخیرہ حسنات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرے اور قیامت کے دن اپنے مالک کے حضور ایک فرمانبردار کی حیثیت سے نیکیوں کے انبار لے کر حاضر ہو اور اعمال صالحہ کی ایک قابل قدر مقدار اس کے اعمال نامہ میں درج ہو۔ بعض اعمال ایسے ہیں جو بڑے ہی پیارے، پرنور مفید اور انسانیت کا حسن ہیں، جن پر عمل سے سیرت و کردار اور ایمان و تقویٰ کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور انسان اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہو جاتا ہے اور ان کی بدولت قرب و حضور کی ایمان افروز کیفیات محسوس کرتا ہے مگر ان اعمال کا واضح صورت میں حکم نہیں دیا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان پر عمل مناسب نہیں بلکہ بدعت اور ناجائز ہے۔

اس سلسلے میں حضور نبی کریم ﷺ کی رحمت نے امت کی دستگیری فرمائی ہے اور ایک قانون عطا فرمایا ہے کہ جن اعمال سے طبع و مزاج میں بندگی کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور انسان ان سے لذتِ حضور محسوس کرتا ہے، ان پر عمل جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت اور ان کی رضاء حاصل ہو اور وہ نیک اعمال کرنے کی بھی توفیق نصیب ہو جو حسین و مفید ہیں اور نوافل کے زمرے میں آتے ہیں۔

اس طرح انسان ان اعمال کا ثواب بھی حاصل کرے جو اس پر فرض نہیں اور نیکیوں کے حصول کے لئے اہل ایمان کا قافلہ، بہشت بریں کی طرف اسی طرح رواں دواں رہے۔ حضور ﷺ نے امت پر اپنی بے پایاں شفقت و رحمت کا سایہ فرماتے ہوئے، امت کو اجازت دی ہے کہ وہ ایسے اعمال کرتی رہے، جن میں حسن و دلکشی اور پاکیزگی ہے اور اہل ایمان انہیں حسین و بہترین تصور کرتے ہیں، چاہے دور ازل میں ان کی کوئی مثال یا کوئی واضح حکم نہ ملتا ہو۔

اس مضمون میں اسی قانونِ رحمت و شفقت کی

تفصیل ہے۔

شرح و تفصیل

انسان جو کام کرتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم ان اعمال کی ہے جن کا کرنا ضروری ہے، انہیں "اوامر" کہتے ہیں۔

دوسری قسم ان اعمال کی ہے جن کا نہ کرنا ضروری ہے، انہیں "نواہی" کہتے ہیں۔

تیسری قسم ان اعمال کی ہے جن کا نہ تو کرنا ضروری ہے اور نہ ہی کرنا، انہیں "مباحات" کہتے ہیں۔

اوامر و نواہی اور مباحات یعنی افعال کی ان تینوں قسموں کی تفصیل اور پہچان یہ ہے۔

ا۔ اوامر

اوامر ان شاندار شائستہ، پاکیزہ اور نتیجہ خیز اعمال کو کہتے ہیں جو کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور تشکیلِ سیرت و تعمیر خودی کا موثر ترین ذریعہ ہیں۔ خدا اور رسول ﷺ نے ان کے بارے میں واضح احکام دیئے ہیں کہ لوگ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان پر مواظبت کریں اور دل و جان سے ان کے پابند رہیں۔ اوامر کی پابندی کرنے والے کو مومنِ قانت، فرمانبردار، صالح اور اطاعت شعار کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور اس کی رحمت اسے آغوش محبت میں لے کر دائمی نعمتوں والے مسکن میں پہنچادے گی۔

۲۔ نواہی

نواہی سے وہ افعال مراد ہیں جو گندے، بے ڈھب، خلاف انسانیت اور نامعقول ہیں اور خدا و رسول ﷺ نے جن کو حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیں اور خود کو بہر صورت ان سے بچائیں اور دور رکھیں۔

نواہی کا ارتکاب کرنے والے کو فاسق و فاجر اور گناہ گار کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ سزا پائے گا اور اپنی بدعملی کی متشکل صورتوں کو خوفناک اور اذیت رساں شکل میں دیکھے گا۔

اوامر پر عمل پیرا ہونے اور نواہی سے بچنے کا حکم حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں دیا ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

"جب ہم کسی چیز سے روکیں تو رک جاؤ اور جب کسی کام کا حکم دیں، تو مقدور بھر اس پر عمل کیا کرو"۔

۳۔ مباحات

مباحات سے وہ پاکیزہ و پرنور افعال مراد ہیں جو انسانی عظمت، دنیاوی وقار اور دین کی روح کے منافی نہیں ہوتے اور تہذیب و شائستگی اور دینی و ملی تقاضوں کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ کسی انسان کو ان اعمال میں مصروف دیکھ کر، دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں جان لیتا ہے کہ یہ شخص پکا مسلمان، دین دار اور مخلص انسان ہے جو خدا و رسول ﷺ اور ملک و ملت سے اپنی وابستگی کا اظہار کررہا ہے۔

ایسے افعال کو ان کی ہمہ گیر افادیت اور خوبی کے باوجود جو چیز انہیں "اوامر" کی بجائے "مباحات" کے دائرے میں داخل کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ شارع ﷺ کی طرف سے ان کے بارے میں واضح احکام نہیں ہوتے، صرف پاکیزگی اور افادیت ہی ان میں حسن پیدا کرتی ہے اور امت کے لئے اسے جائز اور مباح فعل بناتی ہے۔

قانونِ مباحات

زمانہ تغیرات سے عبارت ہے، ہر آن نئے نئے امور و احوال جنم لیتے رہتے ہیں اور افعال و اعمال کی دنیا میں تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ شفقتِ نبوی ﷺ نے اس بارے میں ایک دوٹوک اور واضح فیصلہ فرمادیا کہ کوئی شخص محض اس بناء پر کسی فعل کو ناجائز نہ ٹھہرائے کہ اس کا ''اوامر'' سے تعلق نہیں بلکہ یہ دیکھے کہ اس کی اہمیت کتنی ہے اور وہ کس حد تک جواں نسل کے قوائے عمل میں انقلابی روح پھونک سکتا ہے اور اسے دین سے قریب تر لاسکتا ہے۔ اگر اس میں اتنی افادیت اور جذب و کشش موجود ہو اور اہل ایمان محسوس کرلیں کہ اس عمل میں فائدہ ہی فائدہ اور حسن ہی حسن ہے تو بلا جھجک اسے اپنالیں وہ جائز ہی ہوگا کیونکہ اہل ایمان نے اسے اچھا اور مفید سمجھا ہے۔ ارشادگرامی ہے:

مَارَآهُ الْمومنون حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَاللهِ حَسَنٌ.

''جسے مومن اچھا سمجھیں وہ بات اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے''۔

مباحات کے لئے دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے بارے میں واضح ''حکم کا نہ ہونا'' اور ان میں ''حسن کا موجود ہونا'' ہی ان کے جواز کی دلیل ہوتا ہے۔ چونکہ بے جا اور غیر ضروری سوالات بھی، بعض اوقات کسی عمل کی فرضیت کا سبب بن جاتے ہیں اور دشواری پیدا کرتے ہیں اور یہ بات سہولت کے منافی ہے، اس لئے ان سے بھی روکا، فرمایا:

دَعُوْنِی مَاتَرَكْتُمْ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ.

''جب تک ہم کوئی حکم نہ دیں، تم کچھ نہ پوچھا کرو کیونکہ پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت ہی نے ہلاک کردیا تھا''۔

سوالات کی کثرت سے ہلاک ہونے کی صورت یہ تھی کہ وہ کسی کام کے بارے میں اپنے انبیاء کرام سے خواہ مخواہ پوچھتے رہتے تھے، حالانکہ واضح حکم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کام ان کے لئے مباح ہوتا تھا، وہ اوامر میں سے نہیں ہوتا تھا کہ اس کا کرنا ضروری ہو اور نہ ہی نواہی میں سے ہوتا تھا کہ اس سے بچنا ضروری ہو، لیکن وہ بے وجہ سوالات کرتے رہتے تھے کہ فلاں کام کریں یا نہ کریں؟ فلاں کام کس طرح یا کس وقت کریں؟ جس کے نتیجے میں ان افعال کے بارے میں قطعی احکام نازل ہوجاتے تھے اور ان افعال کو مکمل طور پر فرض یا قطعی طور پر حرام کردیا جاتا تھا۔ اب فرض کی صورت میں ان پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا اور حرمت کی صورت میں بچنا لازم ہوجاتا، وہ ان پابندیوں کو برداشت نہ کرسکتے اور احکام خداوندی سے سرتابی کے مرتکب ہوتے، جس کی پاداش میں انہیں ہلاک کردیا جاتا۔

اس کی واضح مثال وہ واقعہ ہے جب بنی اسرائیل میں ایک شخص کو قتل کردیا گیا، قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا، حکم دیا گیا ایک گائے ذبح کرکے اس کا گوشت مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ، وہ زندہ ہوجائے گا اور قاتل کا نام بتادے گا۔ یہ ایک راز تھا، مگر بنی اسرائیل نے بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کی بجائے، سوالات کا تانتا باندھ دیا، وہ گائے جواں ہو یا بوڑھی ہو۔۔۔ اس کا رنگ کیا ہو۔۔۔ اور وہ کیا کرتی ہو۔۔۔؟ ان کو جواب دیا گیا کہ وہ درمیانی عمر کی ہو، اس کی رنگت پیلی اور بہت دلکش ہو، جو دیکھنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے اور اس سے کاشت کاری اور آبپاشی کا کام نہ لیا جاتا ہو، بلکہ وہ اپنے مالکوں کی نظر میں بڑی محترم اور پیاری ہو۔

اپنے بے ڈھب سوالات کے باعث وہ ان باتوں کے پابند ہوگئے، حالانکہ اگر وہ سوالات کرنے کی بجائے کوئی سی گائے بھی ذبح کردیتے تو فرمان الٰہی پر عمل ہوجاتا۔ اسی لئے حضور ﷺ بے معنی اور غیر ضروری سوالات کو پسند نہیں فرماتے تھے اور قول و عمل سے انہیں سمجھاتے رہتے تھے کہ غیر ضروری سوالات کو معمولی جرم نہ سمجھیں چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَالَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَحُرِّمَ مِنْ اَجَلِ مَسْئَلَتِهٖ.

''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، حالانکہ وہ مسلمانوں پر حرام نہیں تھی مگر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کردی گئی''۔

بے جا سوالات کی ممانعت

انسانی طبیعت میں کریدنے کا مادہ بہت زیادہ موجود ہے خصوصاً اس کے ذوق تجسس میں اس وقت بے پناہ تموج پیدا ہوجاتا ہے جب اسے یہ تسلی ہوتی ہے کہ میرے سامنے جو بے مثال و یکتا ہستی موجود ہے وہ علم کا بحر ذخار اور حکمت و بصیرت کا سرچشمہ ہے اور اس سے پوچھا گیا کوئی سوال بھی تشنہ تکمیل نہیں رہے گا۔ ایسی صورت میں اس کے متجسس ذہن میں اُمڈ مُڈ کر سوالات آتے ہیں اور وہ موقعہ و محل کی نزاکت کا احساس کئے بغیر سب کچھ بے تکاں، پوچھتا چلا جاتا ہے۔

ایک دفعہ اسی طبع و مزاج کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے کچھ سوالات کئے جنہیں آپ نے پسند نہ فرمایا اور ٹال دیا، انہوں نے پھر وہی سوالات کئے، انہیں سمجھایا گیا کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے، اس سے باز آجاؤ، مگر بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ ممانعت کی حکمت سمجھنے سے قاصر رہے۔

آخر ایک روز ان سوالات نے جب کثرت کی صورت اختیار کرلی تو آپ ﷺ کے مزاج مبارک میں غضب کے آثار نمایاں ہوگئے، آپ ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور جاہ وجلال کے عالم میں ارشاد فرمایا:

اب ایک ہی دفعہ تمام سوالات کر ڈالو، جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو جب تک ہم یہاں موجود ہیں تمہارے ہر سوال کا جواب دیں گے۔

لَا تَسْاَلُوْنِيْ الْيَوْمَ اِلَّا بَيَّنْتُهٗ لَكُمْ. مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَنِيْ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْنِيْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَادُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا.

''جو شخص جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے، وہ ہم سے پوچھ لے، خدا کی قسم! جب تک یہاں موجود ہیں، تم جو کچھ پوچھو گے ہم تمہیں اس کا شافی جواب دیں گے''۔

حاضرین نے جب غضب و جلال کی یہ کیفیت دیکھی تو سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، نبی پاک ﷺ کی ناراضگی کے تصور نے انہیں بے قرار و پریشان کردیا اور وہ سب کچھ بھول کر تھر تھر کانپنے اور گریہ زاری کرنے لگے۔

فَاِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌ رَاسَهٗ فِيْ ثَوْبِهٖ يَبْكِيْ.

''ہر آدمی گریبان میں منہ دے کر رونے لگا''۔

وَاَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ.

''اور حضور یہی فرماتے رہے۔ پوچھو''۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے اپنے نسب کے بارے میں اپنی برادری اور جاننے والوں میں

مشکوک و مطعون تھے، جب بھی ان کی کسی سے ان بن ہوتی تو انہیں فوراً نسب کے حوالے سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا، جس سے انہیں بہت تکلیف پہنچتی اور ذہنی صدمہ ہوتا۔

اس موقعہ پر حضور ﷺ سے کچھ پوچھنا بڑی جرأت کی بات تھی مگر وہ روز روز کی جھک جھک سے تنگ آئے ہوئے تھے، دل میں سوچا کہ آج اس بات کا فیصلہ ہو ہی جانا چاہئے، چنانچہ جی کڑا کر کے اٹھے اور سوال کیا: مَنْ اَبِیْ؟ میرا باپ کون ہے؟

آپ نے جواب دیا: اَبُوْکَ حُذَافَةُ "تیرا باپ حذافہ ہے"۔ عبداللہ کے والد واقعی حذافہ تھے، ان کا صحیح النسب ہونا ثابت ہوگیا۔

آئندہ کے لئے تمام زبانیں بند ہوگئیں پھر کسی کو جرات نہ ہوئی کہ نسب کے حوالے سے انہیں طعنہ دے سکے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بتادیا تھا کہ ان کا نسب صحیح ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مزاج شناسِ نبوت تھے، حضور ﷺ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوگئے اور ان حسینِ الفاظ میں اپنی شانِ تسلیم و رضا اور عجز و نیاز کا اظہار کیا۔

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا۔

"یارسول اللہ ﷺ! ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین اور آپ حضور ﷺ ہمارے نبی اور رسول ہیں"۔ (بخاری، ۲:۱۰۸۲، ۹۴۱)

ان نیاز مندانہ کلمات کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حضور ﷺ کا غصہ جاتا رہا۔ آپ منبر شریف سے نیچے تشریف لے آئے۔

(بخاری، ۲:۱۰۸۲، ۹۴۱، مسلم، ۲:۲۶۲، ۲۶۳)

❁❁❁❁❁❁

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم شیخ زاہد فیاض (نائب ناظم اعلیٰ) کی پھوپھی جان، محترم قاضی محمد اسد (لائف ممبر تحریک، صوبائی وزیر ہائر ایجوکیشن۔ سرحد) کی والدہ محترمہ، ممبر سپریم کونسل تحریک محترم فہیم احمد انور رندھاوا (کینیڈا) کے والد محترم، محترم جام اسلام الدین (رحیم یار خان) کے داماد محمد رفیق، محترم پروفیسر ممتاز الحسن باروی (شریعہ کالج) کے بہنوئی، محترم رشید احمد بھٹی (شریعہ کالج) کی والدہ، محترم فیاض حسین فیضی (ریانپورہ) کے والد محترم بابا منظور حسین، محترم حشمت واہگہ (جھنگ) کی نانی جان، محترم قاری اشفاق حسین (ریاض۔ سعودی عرب) کی والدہ محترمہ، محترم سید ظہیر الحسن گیلانی (شیخوپورہ) کی چچی جان، ، محترم چوہدری محمد انور رندھاوا (صلالہ۔عمان)، محترم محسن صاحب اور محترم علی ساہی (آریزو۔اٹلی) کی والدہ محترمہ، محترم کاشف ضیاء خان (ایبٹ آباد) کے والد محترم، محترم قاضی فرید خان (ایبٹ آباد)، محترم ظفر گوندل (میلان۔اٹلی) کی زوجہ محترمہ، محترم حافظ خورشید حسن (آریزو۔اٹلی) کے والد محترم، محترم عبدالرؤف بھٹی (کویت) کے کزن محترم حافظ سرفراز احمد نقشبندی (سیالکوٹ)، محترم محمد یوسف بختاور (سرپرست تحریک کویت) کی کزن، محترم محمد انور چیمہ (گوجرانوالہ) کے بہنوئی، محترم حاجی محمد اشرف (کراچی) کے کزن، محترم علامہ فیاض قادری (سیالکوٹ) کی دادی جان، محترم محمود الحسن (کویت) کی والدہ، محترم عرفان عادل (کویت) کے نانا جان قضائے الٰہی سے انتقال فرمائے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

الفقہ

آپ کے دینی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

سوال: کیا محراب مسجد کا حصہ ہوتا ہے؟

جواب: ''محراب مسجد کی تحقیق'' میں علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

☆ المحراب صدر البیت واکرم موضع فیه. والجمع المحاریب وهو ایضا الغرفة.

''مکان کے سامنے کا حصہ۔ مکان میں سب سے زیادہ عزت کا مقام۔ جمع محاریب۔ کمرہ''۔

☆ والمحراب عند العامة الذی یقیمه الناس الیوم مقام الامام فی المسجد.

''عام علماء کے نزدیک وہ جگہ ہے جسے آج کل لوگ امام مسجد کے کھڑے ہونے کی جگہ بتاتے ہیں''۔

☆ قرآن کریم میں ہے:

اِذْ تَسَوَّرُو الْمِحْرَابَ. (صٓ: 21)

''جب وہ دیوار کود کر (حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کی) مسجد میں آئے''۔

☆ قال الزجاج... المحراب ارفع بیت فی الدار وارفع مکان فی المسجد... والمحراب ههنا کالغرفة.

''حویلی میں سب سے زیادہ اونچا مکان۔ مسجد میں اونچی جگہ۔۔۔ یہاں محراب کمرے کے معنی میں ہے''۔

☆ المحراب القبلة ومحراب المسجد ایضا صدره واشرف موضع فیه. ومحاریب بنی اسرائیل مساجدهم التی کانوا یجلسون فیها... یجتمعون فیها للصلوة.

''محراب قبلہ ہے، مسجد کا محراب بھی اس کا مرکزی مقام ہے اور بزرگ تر مقام۔ بنی اسرائیل کے محراب ان کی وہ مسجدیں تھیں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے اور نماز کے لئے جمع ہوتے تھے''۔

☆ قرآن کریم میں جو آتا ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ.

علماء نے کہا وہ اپنی قوم کے پاس مسجد سے باہر آئے۔

☆ المحراب اکرم مجالس الملوک.

''محراب بادشاہوں کی سب سے بڑی عزت والی نشست''۔

☆ المحراب سید المجالس ومقدمها واشرفها.

''محراب مجالس میں اعلیٰ ترین جگہ، سب سے آگے، سب سے بزرگ تر''۔

☆ العرب تسمی القصر محرابا لشرفه.

''عرب محل کو محراب کہتے ہیں اس کی بزرگی کی وجہ سے''۔

☆ وقیل المحراب الموضع الذی ینفرد فیه

الملک فیتباعد من الناس.

"اور کہا گیا ہے کہ محراب وہ جگہ ہے جس میں صرف اکیلا بادشاہ ہوتا ہے اور لوگوں سے (حفاظتی نکتہ نظر سے) دور رہتا ہے"۔ (لسان العرب، ۱۰۲:۳ طبع بیروت) (شرح تاج العروس من جواہر القاموس سید مرتضٰی زبیدی ص ۲۰۷ ج ۱)، (النہایہ لابن الاثیر الجذری ص ۳۵۹ ج ۱ طبع ایران)، (مفردات راغب اصفہانی ص ۱۱۲ طبع کراچی)، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۵۸ ج ۱۱)

☆ المحراب الموضع العالی الشریف.

"محراب بلند و بزرگ مقام"۔

☆ قال الاصمعی المحراب الغرفة.

"اصمعی نے کہا محراب کا معنی ہے کمرہ"۔

(الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ص ۵۸ ج ۱۱)

☆ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"ان کے زمانے میں مقصورہ اس کمرے کو کہتے تھے جو مسجد کی قبلہ والی دیوار کے اندر کی طرف ہوتا تھا۔ جس میں حکمران نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ اور دشمن کے خطرے کی وجہ سے لوگوں کو اس کمرے میں نہیں جانے دیتے تھے۔ اس وجہ سے اختلاف ہوا کہ پہلی صف کون سی ہے؟ وہ جو اس کمرے کے اندر امام کے ساتھ والی ہے یا وہ جو باہر کی طرف سے کمرے کے ساتھ ملی ہوئی ہے؟ فقیہ ابواللیث سمرقندی نے دوسرا قول لیا ہے، تاکہ عام لوگوں کے لئے فضیلت کی گنجائش نکل سکے۔ اور ان کا ثواب ضائع نہ ہو"۔ (شامی ص ۵۶۹ ج ۱)

اس تمام تحقیق کے بعد اب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا محراب مسجد کا حصہ ہے یا نہیں؟۔ محراب میں آج کل محراب مسجد بھی شامل ہے۔ قبلہ کی طرف امام کا کمرہ بھی شامل ہے جسے محراب کہتے ہیں اور جس میں بادشاہ لوگ اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کسی مسجد میں محراب نہیں بنائی گئی۔ سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حفاظتی نکتہ نظر سے محراب تعمیر فرمائی۔

امیر المومنین اسی محراب سے اپنے گھر آتے جاتے تھے۔ محراب میں گھر کی طرف کھلنے والا دروازہ ہوتا تھا۔ محراب میں امیر المومنین نماز کی امامت کے لئے کھڑے ہوتے پیچھے محافظ دستہ ہوتا تھا۔

بعض فقہاء کرام نے فرمایا یہ محراب مسجد سے زائد ہوتا تھا۔ مسجد میں داخل نہ تھا۔ لہٰذا آج کل مسجد میں جو محراب ہے وہ مسجد سے خارج ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ امام مسجد کے پاؤں محراب سے باہر ہونے چاہئیں ورنہ امام اور مقتدیوں میں فاصلہ ہوجائے گا اور مقتدیوں کی اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ آج کل محراب مسجد سے خارج نہیں مسجد ہی کا حصہ ہے۔ لہٰذا نماز میں فرق نہیں پڑتا۔ قرآن کریم میں درج محراب کا مطلب مسجد اور کمرہ ہے۔ محراب کا وہ معنی نہیں جو ہم آج مراد لیتے ہیں اور جسے محراب مسجد کہتے ہیں۔ یہ محراب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے بنایا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں باتیں درست ہیں یعنی موجودہ محراب رسول ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ابتدا فرمائی۔ مگر یہ مسجد سے خارج نہیں اس میں داخل ہے یا یہ ایک مسجد کا توسیعی حصہ ہے جو امیر المومنین کی حفاظتی تدابیر کے طور پر تعمیر ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: کیا جنازگاہ کو مسجد بنا کر اس میں مدرسہ و مسجد اور جنازگاہ کو جمع کیا جاسکتا ہے نیز مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بارے میں

Scanned with CamScanner

وضاحت فرمائیں؟

جواب: جنازہ گاہ میں پانچوں نمازیں ادا کرنا یا مدرسہ وغیرہ کا اجراء، اگر صحیح العقیدہ مسلمانوں کی طرف سے ہے تو بہتر ہے۔ اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ البتہ نماز جنازہ ادا کرتے وقت میت کی چارپائی رکھنے کے لئے اگر مسجد سے باہر جگہ بنائی جائے اور باقی نمازی مسجد میں بھی کھڑے ہوجائیں تو حرج نہیں۔ میت کو مسجد سے باہر اس لئے رکھتے ہیں کہ مسجد کی تلویث نہ ہو۔ اگر تلویث مسجد کا خطرہ نہیں۔ میت صحیح حالت میں ہے تو مسجد میں میت رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنا بھی جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے۔ اگر ایک عبادت گاہ سے دیگر دینی کام بھی بلاکسی شرعی خرابی کے لئے جانے ممکن ہوں تو ضرور لیں، شرعاً پوری گنجائش ہے۔

حدیث پاک سے

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن ان عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص(رضی الله عنه) قالت ادخلوا به المسجدا صلی علیه فانکر ذلک علیها فقالت والله لقد صلی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه.

''ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ انہیں مسجد میں لاؤ تاکہ میں (بھی) ان پر نماز جنازہ پڑھ سکوں۔ اس پر انکار کیا گیا۔ آپؓ نے فرمایا، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی ہے''۔ (مسلم)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعہ اللمعات میں لکھا ہے کہ مسجد میں جنازہ مکروہ تنزیہی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ تمام ازواج مطہرات کے مطالبہ پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں ادا کیا گیا، ان عصمت مآبوں کو جب خبر پہنچی کہ لوگوں نے اسے برا کہا اور کہا کہ جنازے مسجدوں میں داخل نہیں کئے جاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مااسرع الناس الی ان اجیبوا مالا علم لهم به عابوا علینا ان یمر بجنازہ فی المسجد وماصلی رسول الله علی سهیل بن بیضاء الافی جوف المسجد.

''لوگ جس بات کو جانتے نہیں کتنی جلدی اس پر عیب لگادیتے ہیں۔ ہم پر عیب لگا کہ مسجد میں جنازہ لایا گیا ہے۔ حالانکہ سہیل بن بیضاء پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ہی تو نماز جنازہ ادا فرمایا تھا''۔ (مسلم ص ۳۱۳ ج ۱)

☆ ایک روایت میں ہے جب میت مسجد سے باہر ہو اور لوگ مسجد کے اندر، تو نماز مکروہ نہیں۔ اگر ممانعت کی علت موجود ہو یعنی تلویث مسجد کا خوف ہو، تو پھر اس صورت میں مکروہ نہ ہوگی، جب میت مسجد سے باہر ہو۔ صرف جنازہ یا کچھ نمازی بھی۔

یہی بات حق ہے کہ میت کی حالت غیر ہو مثلاً جسم سے خون، پیپ، پانی وغیرہ نکل رہا ہے یا کسی اور طرح سے تلویث مسجد کا ڈر ہو۔ مثلاً کئی دن گذر چکے ہیں اور لاش سے تعفن و بدبو آرہی ہے تو میت ہرگز مسجد میں نہ لائی جائے اور مسجد سے باہر رکھ کر جنازہ ادا کیا جائے خواہ نمازی باہر ہوں خواہ اندر اور اگر میت کی حالت نارمل ہے اور تلویث مسجد کا کوئی امکان نہیں تو نماز جنازہ بلا کراہت مسجد میں جائز ہے۔ مسلمان قابل احترام ہے، زندہ ہو یا مردہ۔ ہاں اگر اس کا جسم صاف نہ ہو تو مسجد میں اس کا آنا جائز نہیں خواہ زندہ ہو جیسے جنبی، حائض، نفساء یا وہ میت جس کے جسم سے کچھ نکلتا ہو، یا بدبو آنے لگے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

دورہ صحیح مسلم شریف

نشست دوم-1

اصطلاحاتِ حدیث کا قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط

—— حدیثِ ضعیف کے حوالے سے اعتراضات کا علمی محاکمہ ——

دورہ صحیح مسلم جامع مسجد گھمگول۔ برمنگھم UK کی دوسری نشست میں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تحقیقی درس حدیث

ترتیب و تدوین

محمد یوسف منہاجین

منہاج القرآن انٹرنیشنل برمنگھم کے زیر اہتمام دورہ صحیح البخاری کی عالمی سطح پر بے حد پذیرائی اور کامیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے اکتوبر 2007ء میں منہاج القرآن انٹرنیشنل برمنگھم برطانیہ کے زیر اہتمام جامع مسجد گھمگول شریف میں دورہ صحیح مسلم (کتاب الایمان تا کتاب الصلاۃ) کے عنوان سے تین روزہ خصوصی علمی، فکری اور تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔ جن میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے حسب پروگرام پچیس گھنٹوں سے زائد دورانیہ پر مشتمل پانچ نشستوں میں سینکڑوں علماء و مشائخ، طلباء اور ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب سے اصول الحدیث، علم الحدیث، امام مسلم کے مقام و مرتبے اور صحیح مسلم کے حوالے سے عقائد، فقہ، تصوف اور دیگر موضوعات پر گفتگو فرمائی۔ دورہ کی پہلی نشست (شائع شدہ ماہنامہ منہاج القرآن مئی، جون، جولائی 08ء) میں گفتگو کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے علمی کلچر کے احیاء کی ضرورت، تاریخ اصولِ حدیث، علم الحدیث و اصول الحدیث میں امام اعظم کا مقام و مرتبہ، ائمہ حدیث کے ہاں احادیث کی قبولیت و عدم قبولیت کا معیار، بدعت کیا ہے؟ اہل بدعت کون ہیں؟ گستاخانِ رسول ﷺ حقیقی بدعتی، علمی روایات اور ائمہ کا طرزِ عمل، علمی اختلاف کی حقیقت اور ائمہ کرام کا طرزِ عمل، حقیقتِ اجماع، شیوۂ علم اور دیگر موضوعات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

دورہ صحیح مسلم کی دوسری نشست کا اول حصہ نذر قارئین ہے۔ (مرتب)

آج کی نشست کا آغاز اصولِ حدیث پر لکھے گئے اپنے ایک رسالہ کے اجمالی تعارف سے کروں گا اور پھر اسی روشنی میں حدیثِ صحیح، حدیثِ حسن اور حدیثِ ضعیف کا قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط کرتے ہوئے اس ضمن وارد کئے جانے والے اعتراضات کا علمی محاکمہ کروں گا۔

میں نے جن بہت سے علوم و فنون اور میادین میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، عنایت اور حضور ﷺ کی توجہات اور فیوضات کی خیرات سے لکھا ہے ان کی تعداد تقریباً 60 ہے۔ ان میں اصول حدیث بھی ہے۔ میں ان اکابر کے کام (جن کا ذکر گذشتہ نشست میں کیا گیا) کے سلسلہ میں، میں اپنے کسی کام کو شریک نہیں کرتا، میرا کام حقیرانہ سا ہے، جو دعا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تاکہ اس عظیم میراث کا تسلسل برقرار رہے اور اس کا ارتقاء ہوتا رہے۔

اصول حدیث پر میں نے "الخطبة السديدة في أصول الحديث و فروع العقيدة" کے نام سے

عربی میں ایک رسالہ لکھا ہے۔
اصول حدیث کی تاریخ میں اس رسالہ کی اہمیت کو ذکر کرنے سے پہلے یہ بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اصول حدیث پر بہت سارے رسائل اور کتب لکھی گئیں

آج تک اصولِ حدیث کی مصطلحات، تعریفات اور اصولوں کو قرآن مجید سے اخذ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اصطلاحاتِ حدیث سے عقیدہ کو ثابت کیا گیا

اور اس وقت اصول حدیث کا علم قطعاً کسی میدان میں کسی نئی چیز کے اضافے کا متقاضی نہیں ہے کیونکہ علم کی ایک سٹیج ہوتی ہے جہاں آ کر اس کے اندر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں رہتی اس لئے کہ کسی بھی علم کے اصول، حتمی ہو جاتے ہیں جبکہ فروع میں تحقیقات اور ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ مسائل، احکام اور موضوعات میں فروغ جاری رہتا ہے مگر بنیادی اصول ایک وقت تک تو تیار ہوتے رہتے ہیں مگر اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ پھر ان اصول میں مزید کسی اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا اصول پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ پس اب کوئی نئی اصطلاحات وضع نہیں کرسکتا۔۔۔ نئی شرائط مقرر نہیں ہوسکتیں۔۔۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے علم کی دنیا میں انحراف ہوجاتا ہے۔ اب جتنا کام بھی آگے ہوگا وہ ان وضع کردہ اصولوں پر ہی ہوگا۔

پچھلی دو، تین صدیوں میں اور دورِ حاضر میں جتنا بھی کام اصول حدیث پر ہوا وہ اس پچھلے کام کی بنیاد پر نئے انداز، نئی ترتیب، نئی درجہ بندی اور نئے اظہار کے ساتھ پیش کیا گیا کیونکہ ہر دور کی ضرورت کے مطابق مصنف اس کام کو آگے پیش کرتا ہے۔ اندازِ اظہار اللہ کی عطا ہے اور ہر فرد کا اندازِ اظہار جدا ہوتا ہے اور اس اندازِ اظہار سے اس چیز کا ابلاغ کتنا ہوتا ہے یہ بھی اللہ کی عطا ہے۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب میرے تحریر کردہ رسالہ ''الخطبة السديدة'' کی اہمیت کی طرف آتے ہیں کہ جب کوئی نئی چیز وضع نہیں ہوسکتی تو اس کے لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اضافہ نہیں ہوسکتا مگر اس کی شرح، تفصیل، نئی ابواب بندی وضاحت کے نئے انداز اور امثال کے ذریعے اس کو بیان کرنے پر کوئی پابندی نہیں اور جملہ ائمہ فن و علماء اس طرح لکھتے رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ پس میں نے بھی یہ حقیر کاوش کی۔

اپنی اس کاوش کے دوران میں نے چاہا کہ میں اصول حدیث پر کام کرتے ہوئے کسی ایسے نئے اسلوب کے مطابق لکھوں کہ وہ کام پہلے سے نہ ہوا ہو۔ تاکہ کم از کم یہ کام اصول حدیث کی تاریخ میں ایک Contribution (تعاون) تصور ہو اور اس فن میں ایک اضافہ ہو، ارتقاء ہو اور جو کام پہلے صدیوں میں نہ ہوا ہو اس کو کیا جائے۔

پس اس کام پر آغاز سے قبل جب میں نے 12 سو سال پر محیط اصول حدیث کے جملہ لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا تو ایک بڑی عجیب چیز سامنے آئی اور وہ یہ کہ اصول حدیث کی مصطلحات، تعریفات اور اصولوں کو قرآن مجید سے چند ایک کے علاوہ زیادہ تر کو اخذ نہیں کیا گیا۔ یہ ایک ایسا گوشہ تھا جو اصول حدیث کی 12 سو سال کی تاریخ میں خالی رہا۔۔۔ لیکن اس پر بھی تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ جانے ہزارہا کتنے اور علم کے گوشے ہوں گے جن پر کام نہ ہوا اور اب ہو رہا ہے اور نہ جانے کتنے

گوشے اب بھی نظروں سے اوجھل ہیں اور آنے والے احباب ان پر کام کریں گے اور اس طرح قیامت تک کام ہوتا رہے گا۔ اس لئے کہ علم کبھی بھی اپنی انتہاء کو نہیں پہنچتا چونکہ علم اللہ کی وحی اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی اشاعت وتفسیر اور شرح کا نام ہے۔ جیسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے کلام کی حد نہیں ہے اس طرح اس کے علم کی شرح کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ قیامت تک اس کے اندر کام کرنے کی گنجائش رہے گی، بہت سارے میادین علم، ہزارہا موضوعات پر آنے والے لوگوں کو اپنے اپنے ادوار میں حصہ عطا ہوتا رہے گا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ.

''میری امت کی مثال بارش کی سی ہے''۔

(جامع ترمذی، باب مثل الصلوات الخمس، ج۵، ص۱۵۲، رقم ۲۸۶۹)

جیسے بارش اترتی رہتی ہے اور جہاں ہوتی ہے اس زمین کو کچھ نہ کچھ دیتی رہتی ہے۔ پس ہر دور میں اللہ کی یہ عنایت اترتی رہتی ہے اور ہر دور کی ضرورت کے مطابق جو نصیب جس کا ہے اس کو اس کا نصیب ملتا رہتا ہے۔ اللہ کا خزانہ لوگوں کی طرح کا نہیں ہے کہ بانٹ دیا تو بعد میں آنے والے سائلین کو نہ مل سکے۔ اس بات کے اندر علم کا ایک بڑا راز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا. (بنی اسرائیل: ۱۷، ۲۰)

''ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہے''۔

''الخطبة السديدة'' کی اہمیت و انفرادیت

پس میں نے اصول حدیث پر لکھے گئے رسالہ ''الخطبة السديدة'' میں دو نئی چیزیں ایسی رکھی ہیں جس کا 12 سو سال کی اصول حدیث کی تاریخ میں کسی کتاب یا رسالہ میں اہتمام نہیں کیا گیا۔ ان دو نئی چیزوں کے پیش نظر اس متن کو لکھا۔ ۱۔ ان میں ایک تو یہ کہ اصول حدیث کی اکثر اصطلاحات وتعریفات کا استنباط میں نے قرآن پاک سے کیا۔ بہت قلیل مصطلحات کو چھوڑ کر یہ کام پہلے والے محدثین نے نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں ''الخطبة السديدة'' میں، میں نے حدیث کے تحمل و اداء کے تمام 8 طرق کا قرآن مجید کی کثیر آیات سے استدلال کیا ہے۔

اس رسالہ میں ''مکانۃ الحدیث'' حدیث وسنت کی حجیت کو مکانۂ رسالت کے ساتھ ملاکر قرآن مجید سے استنباط کیا ہے۔

اس رسالہ میں، میں نے اقسام حدیث کا قرآن مجید سے استنباط کیا ہے مزید یہ کہ احادیث بھی ان کی تائید میں ذکر کی ہیں۔

۲۔ دوسری نئی چیز اور اسلوب جسے میں نے اصول حدیث کے اپنے رسالہ ''الخطبة السديدة'' میں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے ہر اصطلاح حدیث سے عقیدہ کی ایک ایک فرع کو ثابت کیا ہے۔۔۔ ایک طرف حدیث کی اصطلاح اور تعریف ہے، اس کو قرآن سے ثابت کیا ہے۔۔۔ اور دوسری طرف اسی اصطلاح سے عقیدہ کی ایک فرع کو بھی ثابت کیا ہے۔ اصول حدیث کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کبھی بھی اصطلاح حدیث کے ساتھ عقیدہ کو نہیں جوڑا گیا تھا۔ پس یہ اصول حدیث میں اس رسالہ ''الخطبة السديدة'' کی ایک نئی Contribution ہے۔ یہ

اصول حدیث کا ایسا متن ہے جس کا استدلال و استنباط قرآن سے ہے اور اسی سے احتجاج عقائد کا بھی ہے۔

اب ہم اصول حدیث کے حوالے سے باضابطہ گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

اس نشست میں ہم حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف اور موضوع پر گفتگو کریں گے کہ حدیث صحیح کیا ہے؟ اس کا کس طرح پتہ چلتا ہے۔۔۔؟ حدیث ضعیف کیا ہے۔۔۔؟ حدیث حسن کیا ہے۔۔۔؟

حدیثِ ضعیف کے حوالہ سے اعتراض

حدیث ضعیف کے حوالے سے ایک شور برپا ہے، ہنگامہ ہے اور یہ شور و ہنگامہ صرف اس لئے ہے کہ لوگوں کو صرف شور کرنا اور تنقید کرنا آتا ہے اور علم کے اسرار، اصول اور ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

ایک بات بڑی قابل توجہ ہے کہ عام طور پر جب کوئی حدیث آپ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، اولیاء اور اعمال کے فضائل میں پیش کرتے ہیں تو بعض لوگ سوچے سمجھے بغیر فی الفور یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے'' اس لئے ناقابل قبول ہے گویا وہ اس حدیث کو رد کردیتے ہیں۔ ضعیف کا لفظ ان کے ہاں گویا اتنا بڑا عیب کا لفظ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے اس میں قبولیت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ پس عام لوگ جو اصول حدیث پر مہارت نہیں رکھتے وہ ان احباب کے اس جواب سے گھبرا جاتے ہیں۔

حدیث ''غیر صحیح'' پر اعتراض

اس کے علاوہ ایک اور فتنہ جو علمی دنیا میں پیش کیا جاتا ہے وہ ''غیر صحیح'' کے الفاظ ہیں یعنی کسی حدیث کے آخر پر لکھے ہوئے الفاظ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' پڑھ کر وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ پس اس پس منظر میں ''ضعیف'' کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے اور ''صحیح'' اور ''غیر صحیح'' کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

پس یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث ''غلط'' ہے، یا ''موضوع'' ہے یا ''باطل'' ہے۔ اردو زبان میں ''صحیح نہیں ہے'' کا معنی ہے ''غلط''۔ جبکہ اصول حدیث و مصطلحات حدیث میں ''غیر صحیح'' (یہ صحیح نہیں ہے) کا معنیٰ ''غلط''، ''باطل''، ''مردود'' اور ''موضوع'' نہیں ہے۔

حدیثِ ضعیف بھی حدیث نبوی ﷺ ہی ہے

یہ ذہن نشین کرلیں کہ ''ضعیف'' بھی حدیث ہی ہوتی ہے لہذا جب ہم اصول حدیث میں بالاتفاق پہلی ٹیکسٹ بک (متن) مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ صاحب مقدمہ جب بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث کیا ہے؟ (اور صاف ظاہر ہے کہ حدیث سے مراد حدیث نبوی ﷺ ہے، عام بات چیت کو اصول حدیث اور مصطلحات حدیث میں، حدیث نہیں کہا جاتا ہے)۔ تو حدیث کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے جملہ ائمہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حدیث ہی کی تین اقسام ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب یہ کہا گیا کہ حدیث کی 3 اقسام ہیں تو مراد یہ ہوئی کہ ان میں سے کوئی قسم بھی حدیث نبوی ﷺ سے خارج نہیں ہے۔ پس مقدمہ ابن الصلاح میں بھی حدیث کی تعریف و تقسیم میں یہی درج ہے کہ

اَنَّ الْـحَدِيْثَ عِنْدَ اَهْلِهِ يَنْقَسِمُ اِلٰى صَحِيْحٍ وَحَسَنٍ وَ ضَعِيْفٍ.

''کہ اہل علم کے ہاں حدیث کی تین اقسام ہیں ا۔ صحیح، ۲۔ حسن، ۳۔ ضعیف''۔

اصول حدیث کی کوئی کتاب اٹھالیں ہر ایک نے حدیث کی تعریف و تقسیم میں یہی لکھا ہوا ہوگا کہ حدیث سے مراد حدیث کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ ضعیف

امام نووی ''التقریب'' میں لکھتے ہیں کہ

اَلْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ وَ حَسَنٌ وَ ضَعِيْفٌ.

حدیث کی تعریف و تقسیم کے حوالے سے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

اَنَّ الْحَدِيْثَ عِنْدَ اَهْلِهٖ يَنْقَسِمُ اِلٰى صَحِيْحٍ وَحَسَنٍ وَ ضَعِيْفٍ.

علامہ ابن کثیر، علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں اور عرب دنیا میں بڑے معتمد ہیں۔ یہی تقسیم علامہ ابن تیمیہ کے ہاں بھی ہے مگر ان کا اصول حدیث پر الگ سے کوئی جامع ٹھوس کام نہیں ہے۔ ان کی اور علامہ ابن قیم کی کتابوں میں اصول حدیث سے کئی بحثیں آجاتی ہیں مگر الگ سے جامع اور ٹھوس کام نہیں ہے مگر ہر ایک یہی بیان کرتا ہے کہ حدیث کی 3 اقسام ہیں۔

۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ ضعیف

اب آگے جس امر کی شرح بیان کرنے لگا ہوں یہ عطائے ربی ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا نصیب ہے۔ اس کی شرح بیان کرنے سے قبل اس مثال کو ذہن میں رکھیں کہ اگر عدالت میں کوئی کیس چل رہا ہے تو ہر وکیل اس کیس کو اپنے انداز میں پیش کرتا ہے۔۔۔ اس نے کوئی نئی چیز، نیا قانون تخلیق نہیں کرنا ہوتا۔۔۔ مگر اس کو پیش کرنے کا انداز ہر ایک کا جدا ہوتا ہے۔ پیش کرنے کا انداز اچھا ہو تو لوگوں کے ذہن میں بات جلد آجاتی ہے اور اگر پیش کرنے میں کمی رہ جائے تو کوئی صحیح بات بھی سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔۔۔ اہل سنت کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ مقدمہ صحیح تھا، مگر وکلاء کے دلائل اور پیش کرنے کا انداز صحیح نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقدمہ ہارنے کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس آپ نے اکثر یہ بھی دیکھا ہوگا کہ کسی کا موقف غلط ہوتا ہے مگر وکیل اچھا اور قابل کرنے کی وجہ سے مقدمہ جیت جاتے ہیں۔ حتی کہ مقدمہ کی ہار اور جیت بھی اس بات کا ثبوت نہیں ہوتی کہ سچا کون تھا اور جھوٹا کون تھا۔۔؟ پس مقدمے کے فیصلہ سے حقیقت میں کسی کا سچا، جھوٹا ہونا نہ سمجھا کرو۔

اب جو شرح بیان کرنے لگا ہوں، شارحین میں سے کسی نے اس حوالے سے نہیں لکھا سوائے امام جلال الدین سیوطی کے، ان کی توجہ اس نکتہ کی طرف گئی اور انہوں نے ''التدریب شرح التقریب'' میں اس کو بیان کیا۔

میں جو بات اخذ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب حدیث نبوی ﷺ خود 3 اقسام پر مشتمل ہے تو ان میں سے کسی ایک قسم کو بھی حدیث نبوی ﷺ سے مطلقاً خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی یہ سن کر یا پڑھ کر یہ حدیث ضعیف ہے کہے ''میں قبول ہی نہیں کرتا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے حدیث رسول ﷺ کو رد کردیا ہے اور اس نے فقط ایک جملے ''یہ حدیث ضعیف ہے'' سے 12 سو سال کی اصول حدیث کی پوری تاریخ کو ہی رد کردیا۔

امثال سے حدیث ضعیف کی قبولیت کی وضاحت

اگر کوئی حدیث ضعیف ہے تو اس کا مطلقاً انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی رد کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ حدیث ضعیف کے اپنے احکام ہیں؟ اسی طرح حدیث حسن اور حدیث صحیح کے اپنے احکام ہیں۔ ہر ایک کے اپنے مراتب و درجات ہیں۔

۱۔ اس کی مثال اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ ایک شخص کاملاً صحیح صحت کا ہے اور دوسرے آدمی کو نزلہ زکام،

Scanned with CamScanner

کھانسی، سردرد ہے۔ گویا اس کو چار مرض ہیں۔ اصول حدیث میں علت کو مرض کہا جاسکتا ہے۔ بس جس شخص کو امراض وعلل لاحق ہیں وہ اصول حدیث کی اصطلاح کی تمثیل میں ضعیف ہوگیا۔ پہلے فرد کو کوئی بیماری اور علت لاحق نہیں ہے پس وہ شخص صحت کے اعتبار سے صحیح ہے تو کیا جس شخص کو امراض، علل اور ضعف (کمزوری) لاحق ہے تو کیا وہ انسان ہی نہ رہا۔ کیا اسے انسانیت سے خارج سمجھا جائے؟ پس اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے صحیح سے ضعیف تک کی ساری بحث سمجھ میں آجاتی ہے۔

۲۔ اس بحث کو اس مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص گناہگار ہے۔۔۔ دوسرا نیک صالح مسلمان ہے۔۔۔ تیسرا شخص ولی کامل ہے۔ پس جو ولی کامل ہے وہ اصول الحدیث کی اصطلاح کی تمثیل میں درجہ صحیح میں ہے۔۔۔ دوسرا جو نیک صالح عام شخص ہے وہ درجہ حسن کا ہے۔۔۔ اور جو گناہگار مسلمان ہے وہ حدیث ضعیف کی مثل ہے۔۔۔ تو کیا ایمان میں ضعیف ہونے کی بناء پر گناہگار حضور ﷺ کی امت سے خارج ہوگئے؟ نہیں۔

حدیث مبارکہ سے وضاحت

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے بھی عیاں ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج۱، ص۶۹، رقم۴۹)

اس حدیث مبارکہ سے حدیث کی تینوں اقسام کی وضاحت کرتا ہوں۔

"جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔۔۔ (گویا یہ ایمان کی حالت صحیح ہے)۔۔۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔۔۔ (یہ حدیث کی مصطلحات میں درجہ حسن ہے)۔۔۔ (اس کے بعد حضور ﷺ نے تیسرے درجے کی بھی گنجائش رکھی اور ہم نے تیسرے درجے کو نکال دیا ہے)۔۔۔ فرمایا: کہ اگر زبان سے بھی کہنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے ہی برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے"۔

گویا حدیث مبارکہ میں ضعیف کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔ گویا ایمان کے ضعیف ترین ہونے کے باوجود اسے ایمان ہی کہا، کفر نہیں کہا۔ ہم "ضعیف" کی الجھن میں اڑے ہوئے ہیں جبکہ حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے "اَضْعَفُ" (ضعیف ترین) کا لفظ استعمال کیا۔ یعنی ضعف کا سب سے بڑا درجہ، بہت زیادہ کمزور، ضعیف ترین۔

پس ضعیف ترین ایمان کے باوجود حضور ﷺ نے اس شخص کی حالت کو داخل ایمان قرار دیا اور اس کو کافر نہیں کہا، خارج از ایمان قرار نہیں دیا۔

پس اس حدیث نبوی ﷺ سے بھی تمثیلاً حدیث کے تین مراتب کا استنباط ہوتا ہے۔

۱۔ حدیث مبارکہ کے مطابق برائی کو ہاتھ سے روکنا، پہلا درجہ مثل حدیث صحیح ہے۔

۲۔ زبان سے روکنا، دوسرا درجہ مثل حدیث حسن ہے۔

۳۔ دل سے برا جاننا، تیسرا درجہ مثل حدیث ضعیف ہے۔

آیات قرآنی سے استنباط

حدیث مبارکہ کی تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف کا تمثیلاً استنباط درج ذیل آیات سے بھی ہوتا ہے۔ 12سو سال کی اصول حدیث کی تاریخ میں ان آیات سے ان اقسام حدیث کا استنباط کسی نے نہیں کیا۔ اللہ رب العزت نے امت محمدیہ ﷺ کے تین درجے بیان کرنے سے

پہلے انہیں حضور ﷺ کی امت بھی قرار دیا۔۔۔ قرآن کے وارث بھی قرار دیا۔۔۔ اور مستحقین دخول جنت بھی کہا پھر ان کے تین درجے بیان کئے۔

ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ. (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے اس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا (یعنی امتِ محمدیہ ﷺ کو)، سو ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے درمیان میں رہنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں، یہی (آگے نکل کر کامل ہو جانا ہی) بڑا فضل ہے''۔

آیت مبارکہ میں انہیں نہ صرف ''عِبَادِنَا'' (اپنے بندے) کہا بلکہ ''چنے ہوئے'' (چنیدہ) بھی کہا۔ پھر فرمایا:

فَمِنْهُمْ. ہمارے چنے ہوئے بندوں (جنہیں ہم نے وارثانِ قرآن بھی بنایا) میں سے ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یعنی گناہ کئے ہیں مگر اس گناہ اور ظلم کے باوجود اللہ تعالیٰ نہ تو انہیں اپنے بندوں کی صف میں سے نکالتا ہے، نہ اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے نکالتا ہے اور نہ قرآن کے وارثان کی فہرست میں سے خارج کرتا ہے۔ یہ عامۃ المسلمین کا طبقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا Status بھی بیان کرتا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ایمان کی کمزوری کے باعث کبھی کوئی گناہ، کوتاہی یا نافرمانی کر بیٹھتے ہیں اور دوسری طرف سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (النساء، ۴: ۶۴)

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے''۔

جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے، گناہ کر بیٹھے تو گویا وہ ایمان میں ضعیف ہوئے۔۔۔ اگر ایمان میں ضعیف ہو جانے والوں کو ایمان سے خارج کر دینا قرآن و سنت کا قاعدہ ہوتا تو ان گناہ کرنے والوں کو اللہ اپنی بارگاہ سے ہمیشہ کے لئے دور فرما دیتا۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ اس طرح نہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو اللہ ان کو راستہ سکھاتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ جائیں اور جو ظلم و گناہ ان سے ہوئے تھے اس کی Compensation کریں۔۔۔ اور اللہ سے معافی مانگ لیں۔۔۔ اور پھر ان کے لئے رسول ﷺ بھی شفاعت کر دیں تو وہ جانوں پر ظلم کر بیٹھنے والے بھی اس Compensatory Act کے ساتھ اللہ کو

جب یہ کہہ دیا کہ حدیثِ نبوی ﷺ کی تین اقسام صحیح، حسن اور ضعیف ہیں تو پھر حدیثِ ضعیف کو حدیث کی قِسم ماننے کے باوجود کس طرح قبول کرنے سے انکار کیا جاسکتا ہے

توبہ قبول کرنے والا اور رحمت سے جھولیاں بھر دینے والا پائیں گے۔

پھر سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا فَمِنۡهُمۡ مُقۡتَصِد کہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو درمیانے درجے والے ہیں جنہوں نے ظلم تو نہیں کیا مگر بڑے کمال کے درجے پر بھی نہیں پہنچے، اوسط درجے کے ایمان کے مقام پر آگئے۔ یہ مومنین صالحین ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرَات. بڑا طبقہ وہ ہے جو نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ گیا، یہ اولیاء کاملین ہیں۔

سورۃ فاطر کی اس آیت میں قرآن پاک نے تین اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

۱. الظالم ۲. المقتصد ۳. السابق بالخیرات

میں نے انہی اصطلاحات کا اطلاق صحیح، حسن اور ضعیف پر کیا ہے۔

اگر قرآن پاک کی بیان کردہ ان تین اصطلاحات کی مصطلحات حدیث میں بات کروں تو

۱۔ عامۃ المسلمین جو ظالم لنفسہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے یہ درجہ ضعیف میں ہیں۔

۲۔ مومنین و صالحین۔۔ مُقۡتَصِدۡ۔۔۔ یہ درجہ حسن میں ہیں۔

۳۔ اولیاء کاملین۔۔۔ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرَات۔۔۔ یہ درجہ صحیح میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تینوں کو فَمِنۡهُمۡ (ان میں سے) سے بیان کیا ہے کہ گناہگار بھی میرے چنے ہوئے بندوں میں سے ہیں:۔۔۔ مومنین صالحین بھی انہی میں سے ہیں جن کو میں نے چن کر وارثان قرآن بنالیا۔۔۔ اولیاء کاملین بھی انہی میں سے ہیں جن کو منتخب کرلیا ہے۔

گویا قرآن پاک نے عامۃ المسلمین کو ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ کہہ کر بھی انہیں "منیت" کی شان دی ہے کہ انہی میں سے ہیں۔ انہیں امت سے خارج نہیں کیا بلکہ وارثان قرآن کا تحفہ بھی دیا اور پھر فرمایا:

ذٰلِكَ هُوَالۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡر. "یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے"۔

وہ (اللہ) چونکہ فضل والا ہے اس لئے اپنے قوانین بھی فضل والے بناتا ہے اور ہم چونکہ چھوٹے ظرف والے ہیں، ہماری فہم اور ہمارے دل بھی تنگ اور چھوٹے ظرف والے ہیں۔ ان تینوں طبقات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں نتائج دیتا ہے ارشاد فرمایا:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ. (فاطر: ۳۳)

"(دائمی اقامت کے لیے) عدن کی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں انہیں سونے اور موتیوں کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا اور وہاں ان کی پوشاک ریشمی ہوگی"۔

امام ابن حاتم، امام ابن جریر طبری، امام عبدالرزاق، امام جلال الدین سیوطی، علامہ شوکانی، امام قرطبی، امام رازی، امام بغوی، الغرض کسی بھی طبقہ کے مفسر کی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں ہر ایک نے سورۃ فاطر کی آیت ۳۲ میں بیان کردہ تینوں طبقات کے افراد کے لئے بلا تفریق اگلی آنے والی آیات ۳۳ تا ۳۵ میں درج نعمتوں کا ذکر کیا ہے کہ ان خوشخبریوں اور نعمتوں میں تینوں طبقات شامل ہیں، کوئی کمی پوری کرکے، کوئی براہ راست اور کوئی بغیر حساب کتاب کے ان نعمتوں کو پالے گا۔

گویا اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بھی امت سے خارج قرار دیئے گئے اور نہ ہی شفاعت و انعام سے محروم رکھا۔ پس حدیث ضعیف بھی اپنی سند میں موجود کمزوریوں اور علل کے باوجود حدیث نبوی ﷺ کے دائرہ کار میں داخل ہے، خارج ہرگز نہیں۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁❁❁❁

Scanned with CamScanner

محسنِ انسانیت ﷺ کا پیغامِ محبت و امن

آج سوالیہ نشان کیوں؟

ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری — گذشتہ سے پیوستہ

زیرِ نظر بحث میں یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ بعض غیر مسلموں نے بھی اپنے ہم مذہب متعصب لوگوں کے اس غلط رویے اور طریقہ کار پر شدید تنقید کی اور نبی کریم ﷺ کی انسانیت نواز خدمات کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ اُن میں سے آپ تھامس کارلائل، منٹگمری واٹ اور فلپ کے۔ ہٹی کی تحریروں کو گذشتہ شمارہ (ماہِ جولائی 08ء) میں ملاحظہ کر چکے۔ آیئے اس سلسلہ میں مزید غیر مسلم محررین کے نکتہ نظر کو جانتے ہیں۔

۴۔ رودی بارت

مستشرقین کا اسلام کے متعلق یہ رویہ لاعلمی کی بنیاد پر تھا یا بددیانتی کی بنیاد پر، اس کو سمجھنے کے لئے ایک اور مستشرق ''رودی بارت'' کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

''حقیقت یہ ہے کہ قرونِ وسطٰی میں علمائے مغرب اور کلیسا کے راہنماؤں کی رسائی اسلام کے اصل مصادر تک بڑی وسیع تھی۔ لیکن ان مصادر کا معروضی مطالعہ کرنے کی کوشش اس سابقہ عقیدے کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی تھی کہ اسلام عیسائیت کا دشمن ہے اور اس میں کسی خیر کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے لوگ صرف ان معلومات کو اہمیت دیتے تھے جو اس نظریئے کی تقویت کا باعث ہوتی تھیں۔ اس لئے وہ ایسی خبر کی طرف جھپٹتے تھے جس میں دین اسلام یا پیغمبر اسلام (ﷺ) کے متعلق برائی کا کوئی پہلو نظر آتا''۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصارٰی نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف یہ متعصبانہ بلکہ غیر انسانی رویہ اس لئے اپنایا تھا کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت کی کھوکھلی تعلیمات اس قابل نہ تھیں کہ وہ اسلام کی واضح اور عقلی تعلیمات کے سامنے ٹھہر سکیں۔ انہیں یقین تھا کہ اگر اسلام کی تعلیمات اپنی اصل شکل میں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کے پاکیزہ حالات اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ یہود و نصارٰی تک پہنچ گئے تو انہیں اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر پیش کیا، پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی کی اور اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو نورِ ہدایت سے محروم کرنے کے لئے اپنا سارا زور صرف کر دیا۔

یہ تو تھے پرانے یورپی اہل علم جنہوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کی کذب بیانیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ حاضرین ابھی دو سال قبل پاپائے روم جو عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی منصب ہے اس پر فائز پوپ بینی ڈکٹ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا

جس پر پوری دنیا سے شدید ردعمل سامنے آیا۔

۵۔اری ایونری (Uri Avenry)

اسی پس منظر میں ایک اسرائیلی یہودی سکالر اری ایونری (Uri Avenry) نے ''محمد کی تلوار'' کے عنوان سے ایک مختصر مگر جامع مقالہ تحریر کیا جو دنیا بھر کے اخبارات میں چھپا۔ ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

''اس تناظر میں دیکھا جائے تو پوپ کے حالیہ بیان کا مقصد موجودہ شہنشاہ جارج بش جونیئر کے انہی سیاسی عزائم کی تکمیل کا سامان فراہم کرنا ہے جو وہ دنیائے عیسائیت کو برائیٔ کے محور کے نام پر مسلمانوں کے خلاف متحد کرنے کے لئے بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ مزید براں ترک اس مرتبہ پرامن انداز میں ایک بار پھر یورپ کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ یہ بات سب کے علم میں ہے کہ پوپ ان قوتوں کا حامی ہے جو یورپی یونین میں ترکوں کے داخلے کی مزاحمت کرتی ہیں''۔

''اسلام نے دیگر مذاہب سے کیا سلوک روا رکھا، اس کو ایک سادہ پیمانے سے جانچا جاسکتا ہے۔ ایک ہزار سال بعد تک مسلمان حکمرانوں کا طرزعمل کیا رہا جب ان کے پاس طاقت اور اختیار موجود تھا؟ کیا انہوں نے دین پھیلانے کے لئے تلوار کا استعمال کیا؟ اس کا جواب ہے کہ نہیں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صدیوں تک لگاتار مسلمانوں نے یونان پر حکمرانی کی، کیا یونانی مسلمان بن گئے؟ کیا کسی نے یہ کوشش بھی کی کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں؟ عثمانی دور خلافت میں عیسائی یونانی اعلیٰ ترین انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ بلغارین سرب، رومن، ہنگری اور دیگر یورپی اقوام ایک نہ ایک دور میں عثمانی عہد حکومت کے سایہ تلے اپنے عیسائی عقیدے پر قائم رہتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے، کسی نے انہیں مسلمان ہونے پر مجبور نہ کیا اور وہ سب کے سب عیسائی تعلیمات پر دلجمعی سے کاربند رہے''۔

1099ء میں صلیبی جنگ بازوں نے یوروشلم فتح کیا اور بلاامتیاز مسلمان اور یہودی باشندوں کا قتل عام کر کے یسوع مسیح (علیہ السلام) کے نام پر اپنے ہاتھ خون سے رنگے۔ جبکہ فلسطین پر چار صدیوں سے مسلمانوں کا قبضہ رہا لیکن اس کے باوجود عیسائی وہاں اکثریت میں تھے۔ اس طویل عرصہ کے دوران ان پر اسلام مسلط کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ صرف ملک سے صلیبی جنگ بازوں کے انخلاء کے بعد فلسطینیوں کی اکثریت نے عربی زبان اور دین اسلام اپنی رضا و رغبت سے اختیار کیا اور اہل فلسطین کے وہی آباؤ اجداد ٹھہرے''۔

> ''بزور شمشیر دین پھیلانے کی من گھڑت داستان محض ایک شرانگیز افسانہ ہے۔ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف یورپ کی طرف سے برپا کردہ عظیم جنگی معرکوں میں پسپائی کے دوران جنم لیا

''ایسی کوئی شہادت کہیں موجود نہیں کہ یہودیوں پر اسلام مسلط کرنے کی کبھی کوئی کاوش ہوئی۔ یہ بات سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلم عہد حکومت میں سپین کے یہودی اتنی مالی آسودگی اور خوشحالی سے ہمکنار تھے جس سے وہ ہمارے زمانے تک کہیں بہرہ مند نہ ہوئے۔ یہودا ہلوے جیسے اہل ادب نے عربی شاعری میں نام پیدا کیا اور اسی طرح نامور میمونیڈز نے عربی میں اپنے جوہر دکھائے''۔

فلسطین پر چار صدیوں سے مسلمانوں کا قبضہ رہا لیکن اس کے باوجود عیسائی وہاں اکثریت میں تھے۔ اس طویل عرصہ کے دوران ان پر اسلام مسلط کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی

”مسلم سپین میں یہودی اہل علم وزراء، شعراء اور سائنسدان ملتے ہیں۔ وسطی سپین میں واقع تولیدو شہر میں جو مسلمانوں کا ادبی مرکز رہا، عیسائی، یہودی اور مسلم عالم دانشور باہمی اشتراک سے قدیم یونانی فلسفوں اور سائنسی علوم کو عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ یہ حقیقت میں ایک زریں دور تھا۔ اگر پیغمبر (علیہ السلام) نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے کا حکم دیا ہوتا تو ایسا کب ممکن ہوسکتا تھا“۔

”اس کے بعد جو ظہور پذیر ہوا وہ محتاج بیان نہیں بالکل واضح ہے۔ جب کیتھولک مسیحیوں نے دوبارہ سپین فتح کرلیا تو انہوں نے مذہبی دہشت گردی کا بازار گرم کردیا۔ یہودیوں اور مسلمانوں کو حکماً مجبور کیا گیا کہ وہ یا تو عیسائی بن جائیں، یا تہ تیغ کردیئے جائیں یا وہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں اور ان یہودیوں کے پاس جنہوں نے مذہب ترک کرنے سے انکار کردیا۔ وہ کم و بیش سب نقل مکانی کرکے مسلمان ملکوں میں چلے گئے جہاں ان کا کھلے ہاتھوں استقبال کیا گیا۔ سفاردی (ہسپانوی) یہودی مسلم دنیا میں جاکر آباد ہوگئے۔ مغرب میں مراکش، مشرق میں عراق، شمال میں بلغاریہ (جو اس وقت عثمانی سلطنت کا حصہ تھا) اور جنوب میں سوڈان کو انہوں نے اپنا وطن بنالیا اور کسی جگہ بھی ان کو ظلم وستم کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ انہیں کہیں بھی Inquisition جیسی تفتیشی عدالتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا جہاں ظالمانہ سزاؤں سے جرمنی میں عرصہ حیات تنگ کردیا جاتا تھا، نہ آٹو ڈا فے (Auto-da-fe) کے اعلان کی طرح آگ میں ڈالے گئے، نہ پوگرومز (Pograms) کے سزا دینے والے مراکز تھے۔ نیز وہ ہر جگہ ہولوکاسٹ (جہاں سولہ بلین یہودی انسانیت سوز مظالم کے بعد ہلاک کردیئے گئے) جیسی زیادتیوں سے محفوظ و مامون رہے۔ ہر یہودی جسے اپنی قوم کی تاریخ معلوم ہے وہ اسلام کا احسان مند اور گہرے جذبہ تشکر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام نے ان کی پچاس نسلوں کو تحفظ فراہم کیا ہے جبکہ عالم عیسائیت نے یہودیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور بہت سے مواقع پر انہیں تلوار کے زور پر ترک مذہب کرنے پر مجبور کیا“۔

”بزور شمشیر دین پھیلانے کی من گھڑت داستان محض ایک شر انگیز افسانہ ہے۔ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف یورپ کی طرف سے برپا کردہ عظیم جنگی معرکوں (جیسے عیسائیوں کا سپین پر دوبارہ قبضہ، صلیبی جنگوں اور ترکوں کے خلاف محاذ آرائی جن کے بڑھتے ہوئے فاتحانہ قدم ویانا تک پہنچ چکے تھے) میں پسپائی کے دوران جنم لیا۔ پسپائی کے بعد ان کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ جرمن نژاد پوپ بھی دیانتداری سے ماضی کے ان واقعات پر یقین رکھتا ہے۔ کیا ایسا ہے کہ مسیحی دنیا کا راہنما جو عیسائی مذہب کا عالم بھی ہے اس نے اپنے طور پر تاریخ مذاہب کا مطالعہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی؟ پوپ نے برسر عام ایسے الفاظ کیوں کہے! اور پھر لمحہ حاضر میں ایسا کیوں کہا“؟

”ان الفاظ کو بش اور اس کے پر جوش عیسائی

حامی مبلغین کے ایماء پر نئے کروسیڈ (صلیبی جنگ) کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس میں نام نہاد اسلامی فسطائیت اور دہشت گردی پر عالمی جنگ کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جہاں دہشت گردی کو مسلمانوں کے ہم معنی بنادیا گیا ہے۔ بش کے تجارتی حصہ داروں کے لئے مسلمانوں کے تیل کے ذخائر پر قبضے کو جواز فراہم کرنے کی تک چڑھی کوشش ہے۔ تاریخ میں یہ پہلی بار ایسا نہیں ہوا کہ معاشی مفادات کی عریانی کو مذہبی قبامیں ڈھانپنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلی مرتبہ ایسا نہیں کہ ڈاکوؤں کی مہم کو مذہبی صلیبی جنگ کا نام دیا گیا ہے۔ پوپ کی تقریر اسی کوشش کی صورت گری ہے۔ اس کے بھیانک نتائج کیا ہوں گے؟ کون اس کے بارے میں پیش گوئی کرسکتا ہے''۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے حقیقت حال اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے اور تاریخ مذاہب میں مسلمانوں کے حقیقی کردار کو غیر مسلم خصوصاً یہودی شخص کی نظر سے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

جہاں تک خون ریزی اور قتل و غارت گری کی تاریخ کا تعلق ہے تو یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ سفید فام عیسائیوں نے دنیا میں سب سے زیادہ خون بہایا ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام کی 14 سو سالہ تاریخ میں ہونے والی جنگوں میں اتنی خون ریزی نہیں ہوئی جتنی صرف ایک جنگ عظیم اول میں ہوئی۔ اس عالمی ریکارڈ کو دوبارہ جنگ عظیم دوم میں توڑا گیا تو اس میں بھی مسلمانوں کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ کوریا اور ویت نام میں خوں آشامیاں ان کے علاوہ ہیں۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں یورپ کے دل میں عیسائی ریاست سربیا نے جس بے دردی سے بوسنیا کے بے گناہ مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا وہ تو کل کی بات ہے۔ پھر حالیہ امریکی اور برطانوی جارحیت جس میں افغانستان اور عراق کے لاکھوں معصوم پرامن اور بے قصور شہریوں پر بارود کی موسلا دھار بارش برسائی جارہی ہے یہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

تاریخ کے صفحات پر یہودی قوم اور فتنہ و فساد، قتل و غارت کا تذکرہ عموماً اکٹھا ہی ملتا ہے حتی کہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء بھی ان کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان یہودیوں کو دنیا سے چن چن کر ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قتل کرنے والے بھی عیسائی ہی تھے۔ یروشلم جیسے خطے میں عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی خون ریزیاں اس وقت بھی جاری تھیں جب پیغمبر اسلام کی بعثت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسلام نے تو انسانیت کو قیصر و کسریٰ کے ظلم و جبر سے نجات دلائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی بدولت مظلوم و مقہور قوموں نے زندہ رہنے کا قدرتی حق حاصل کیا۔

تاریخ کے اوراق آج بھی اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ جب صلاح الدین ایوبی نے یروشلم میں فتح حاصل کی تو بے شمار مفتوح عیسائی قبائل فلسطینی علاقوں سے عیسائی ممالک کیطرف کوچ کرنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ سلطان نے مروت اور اسلامی رواداری کی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ یہ لوگ جہاں جانا چاہیں انہیں بحفاظت وہاں پہنچایا جائے۔ چنانچہ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام کی 14 سو سالہ تاریخ میں ہونے والی جنگوں میں اتنی خون ریزی نہیں ہوئی جتنی صرف ایک جنگ عظیم اول میں ہوئی۔ اس عالمی ریکارڈ کو دوبارہ جنگ عظیم دوم میں توڑا گیا تو اس میں بھی مسلمانوں کا کوئی عمل دخل نہ تھا

اسلام کو باہر سے اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اسے بادشاہت اور جہالت کے ذریعے اندر سے نقصان پہنچا ہے جمہوریت، شورائیت، تعلیم و تفکر اور عدل و انصاف اسلامی ریاست کی اساس ہیں مگر مسلمان بادشاہوں نے آمریت جہالت اور ظلم کے ذریعے اسلام کا چہرہ داغدار کیئے رکھا

خوش فہم عرب عیسائی جب اپنے ہم مذہب بادشاہوں اور انکے کارندوں کے ہاتھوں ستائے جانے لگے، ان کی عورتوں کی عصمت دری ہونے لگی، ان کا مال لوٹ لیا گیا اور ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوا تو ایک مرتبہ پھر انہیں اسلامی حکومت میں ہی اپنی اور اپنی نسلوں کی باعزت زندگی کی امید نظر آئی۔ خوشی خوشی جانے والے عیسائی جب روتے پیٹتے واپس آرہے تھے تو رحمت للعالمین نبی ﷺ کے جانشین نے پھر حکم دیا کہ واپس آنے والوں کو باعزت اور بحفاظت ان کی آبائی جگہوں پر پہنچایا جائے۔ یہ تھا مسلمانوں کا برتاؤ! کیا پوری عیسائی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش کی جاسکتی ہے؟

رہی بات اپنے نظریات، عقائد اور مذہب کو زبردستی پھیلانے کی تو کوئی شخص ایک مثال بھی نہیں دے سکتا جہاں کسی مسلمان حکمران نے کسی بھی مذہب کے پیروکاروں کو دنیا کے کسی کونے میں تلوار کے زور پر کلمہ پڑھنے کے لئے مجبور کیا ہو۔ کسی مفتوحہ علاقے میں اعلان کیا گیا ہو کہ "سب اسلام قبول کرلیں ورنہ قتل کردیئے جائیں گے" اور لوگوں نے مسلمانوں کی تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا ہو۔ ہاں ایسا ہوا اور بار بار ہوا لیکن۔۔۔ سپین کے مسلمانوں کے ساتھ۔۔۔ جب ان کا سات سو سالہ شاندار عہدِ حکومت ختم ہوا تو لاکھوں مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ ملک چھوڑ دیں یا پھر عیسائی مذہب قبول کرلیں۔ ایسا ہوا اور اب بھی ہورہا ہے لیکن۔۔۔ بھارت میں مقیم مسلمانوں کے ساتھ۔۔۔ جہاں ایک ہزار سال تک مسلمان حکمران رہے۔ جب اسلامی حکومت کو انگریز کی ساز باز سے ختم کردیا گیا تو کئی بنیاد پرست ہندو تنظیموں نے مسلمانوں کو ہندوستان یا اسلام میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا بار بار اعلان کیا اور آج بھی یہی صورت حال جاری ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی شرافت اور رواداری دیکھئے کہ جن علاقوں میں صدیوں ان کی حکومتیں قائم رہیں جب ان کا اقتدار ختم ہوا تو سپین میں عیسائی اور بھارت میں ہندو اپنی تمام تر مذہبی آزادیوں کے ساتھ موجود تھے۔ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا ذرا سا ہاتھ بھی ہوتا تو ان غیر مسلم قومیتوں کو مسلسل سات سے دس صدیوں تک اپنے دامن میں کیسے پنپنے کی اجازت دیتا؟ مسلمانوں کی تلوار حرکت میں آتی اور وہ سپین کے عیسائیوں اور ہندوستان کے ہندوؤں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتے تو یہاں ایک شخص بھی غیر مسلم باقی نہ بچتا۔ تاریخ اور اسلامی تعلیمات کا علم رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو انسانیت کی بقا کا ضامن ہے۔

مذاہب عالم میں عدم برداشت کی مثالیں

بدامنی، شرانگیزی اور قتل و غارت گری کو اسلام کے ساتھ مختص کردینے والے محققین، تجزیہ نگار اور دانشور حضرات شاید اس تلخ حقیقت سے عمداً دور رہنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں شرانگیزی پھیلانے والوں میں یہود و نصاریٰ، ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ پیش پیش رہے ہیں۔

تاریخ عالم عدمِ برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے مثلاً ایک یہودی حاکم ''شیخ ذونواس'' نے یمن میں خندق کھدوائی اور تیس ہزار کے قریب ان عیسائیوں کو زندہ جلوادیا جنھوں نے یہودیت اختیار نہ کی۔

☆ ہندوؤں کی کتب میں لکھا ہے: ''اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔''

☆ اسی طرح رومی سلطنت کی تاریخ عدم برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہ تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں درج شدہ مضمون'' سپین'' کے مطابق ۱۴۹۲ء میں سپین کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے 28,540 کو سزائے موت ملی اور 12,000 کو زندہ جلادیا گیا۔ بقول رابرٹ بریفو ''ڈیڑھ لاکھ کے قافلے میں سے ایک لاکھ مسلمانوں کو سپین میں قتل کردیا گیا''۔

☆ مؤرخین لکھتے ہیں کہ 1610ء میں تمام مسلمانوں کو سپین چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ 1630ء میں ایک مسلمان بھی سپین میں باقی نہ رہا حالانکہ مسلمانوں نے قریباً پونے آٹھ سو سال یہاں حکومت کی تھی۔

☆ عدم برداشت کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں اور خون انسانی کی ارزانی کا اندازہ لگائیں۔

۱۔ 710 قبل از مسیح (یروشلم) 40 ہزار اشخاص ذبح ہوئے۔

۲۔ 711 قبل از مسیح (یروشلم) میں ایک لاکھ 20 ہزار اشخاص مارے گئے۔

۳۔ 957 قبل از مسیح (یروشلم) 5 لاکھ یہودی مارے گئے۔

۴۔ 70 قبل از مسیح (یروشلم) 11 لاکھ یہودی مارے گئے۔

۵۔ 135-36 ق م (یروشلم) 5 لاکھ 80 ہزار یہودی ذبح ہوئے۔

جنگ عظیم اول: 73 لاکھ 38 ہزار افراد مارے گئے، جبکہ جنگ عظیم دوم: 4 کروڑ اشخاص لقمہ اجل بنے۔

اس کے مقابل رحمۃ للعالمین ﷺ اور پیکر رحمت ﷺ کے غزوات میں مسلمان شہداء اور کفار مقتولین کی تعداد سیرت نگاروں کے مطابق 2 ہزار سے زیادہ نہیں بنتی۔ یہ ہے برداشت وحلم کی سنہری مثال!

توسیع پسندی کا رُجحان

اگر ہم انیسویں اور بیسویں صدی کے بین الاقوامی تنازعات اور بین الممالک جنگوں کا تنقیدی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جنگوں میں بنیادی کردار مغربی طاقتوں کا ہی رہا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اعداد وشمار پچھلی دو صدیوں کے 160 سالہ عرصہ پر مشتمل ہیں:

State	Involvements	State	Involvements
United States	125	Italy	58
Great Britain	124	China	52
Russia	118	Japan	50
France	100	Peru	47
Gemany	76	Israel	60

یاد رہے کہ اسرائیل کا چارٹ صرف 60 برس

Scanned with CamScanner

پر مبنی ہے جو 1948ء سے شروع ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر اس عرصہ (1815-2008) کی Annual Frequency of Country Conflict Involvement کی اوسط کا تعین کریں تو اسرائیل کا مقام اقوام عالم میں سب سے اوپر ہے۔ اس کی Annual Frequency ".70" ہے جو دنیا کے سب ممالک سے زیادہ ہے اس میں اسلامی ممالک کا کہیں ذکر بھی نہیں آتا اور اگر ترکی، عراق وغیرہ کا آتا بھی ہے تو وہ دنیا میں سب سے کم Average پر ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

قارئین و سامعین! یہ تو تھا آج کے سیمینار میں زیر غور موضوع کا ایک رخ۔ اب آیئے دوسرے پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیتے ہیں جو ہمارے داخلی مسائل سے متعلق ہے۔ یہ بات تو ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کہ عالم کفر اسلام کو دہشت گردی کا مذہب ثابت کرنے کے لئے تاریخ کے روشن چہرے پر سیاہی پھینک رہا ہے۔ ہمیں ان کے اس جھوٹ اور فریب کاری کا مناسب اور منطقی جواب ضرور دینا چاہئے مگر ہم اس وقت شرمندہ ہو جاتے ہیں جب ہمارے اپنے مسلمان معاشروں میں ایک دوسرے پر بارود کی بارش ہوتی ہے۔

☆ ہماری عبادت گاہیں ہمارے ہی نادان لوگوں کے ہاتھوں خون میں نہا جاتی ہیں۔ ہم کس طرح پیغمبر امن ﷺ کا پیغام محبت دنیا کے سامنے رکھ سکتے ہیں جب اسلام کے نام پر منصۂ شہود پر آنے والی ریاست پاکستان کے دارالحکومت میں لال مسجد جیسے شرمناک واقعات رونما ہوتے ہیں۔ مسجدوں اور دینی درسگاہوں کو اسلحہ خانے بنانا کب روا سمجھا گیا ہے، مسجدوں کے محراب اور مینار تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مختص تھے انہیں ہم دفاعی مورچے بنالیں گے تو اپنے پرائے ہم پر کیوں نہیں ہنسیں گے۔ 10 جولائی 2007ء کو اسلام آباد میں جو شرمناک کھیل کھیلا گیا اس میں بلا شبہ امریکہ نے براہ راست پاکستان کی قیادت کے ذریعے مداخلت کی تھی اور پوری دنیا میں ایٹمی پاکستان کو ایک وحشی، جنونی اور خونخوار مذہبی لوگوں کا ملک ثابت کرنے کے لئے سٹیج سجایا گیا۔ مگر یہ موقع دنیائے کفر کو کس نے دیا؟ قرآن و حدیث پڑھنے والی بچیوں کے ہاتھوں میں کتابوں کی جگہ ڈنڈے اور لڑکوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں کون تھما رہا تھا؟ دکانوں، گھروں اور سرکاری کتب خانے پر قبضے کرکے ماحول کو کس نے حساس بنایا؟ کس نے مسجد کی چار دیواری کے ساتھ دفاعی مورچے بنا رکھے تھے؟

☆ اس میں شک نہیں کہ افغان وار روس اور امریکہ جیسی دو بڑی عالمی استعماری قوتوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگ تھی جس میں افغانوں کے جذبے اور دنیا بھر کے مسلمان مجاہدین کا خون رنگ لایا اور سرخ سامراج اپنی موت مر گیا۔۔۔ امریکہ کا عالمی حریف مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہو گیا لیکن اس نے روس کے خلاف لڑی جانے والی سرد و گرم جنگ کا رخ اب اسلام کی طرف کر لیا ہے مگر طالبان کو کس نے دعوت دی تھی کہ وہ بامیان میں صدیوں پرانے پہاڑی نقوش کے خلاف ''اعلانِ جہاد'' کریں اور پوری دنیا کی رائے عامہ کو اپنے خلاف کرکے 15 لاکھ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر حاصل ہونے والی اسلامی حکومت کو محض نادانیوں کے ذریعے ضائع کر دیں۔

☆ آج پاکستان کی محفوظ ترین سرحد ڈیورنڈ لائن پر ایک لاکھ فوج اپنے ہم وطن بہادروں کے ساتھ جنگ میں جھونک دی گئی ہے۔ ہم اس لڑائی کو امریکہ کے مفادات کی خاطر لڑی جانے والی جنگ اور ملکی سلامتی کے خلاف کھیلا جانے والا خونی کھیل سمجھتے ہیں جس کے ذمہ دار پرویز

مشرف اور ان کے سابق حواری ہیں۔۔۔ لیکن مورخ اس حقیقت کو کیسے جھٹلائے گا کہ یہاں کے نوجوانوں کو ''پاکستانی طالبان'' بنا کر مقامی مذہبی رہنماؤں نے پاکستانی فوج اور انتظامیہ کے خلاف برسرپیکار کردیا۔۔۔ سوات جیسے پرامن سیاحتی مقام پر کس نے فتح کے جھنڈے لہرا کر قومی اداروں پر حملے کئے، کروڑوں روپے مالیت کی املاک کو نذرِ آتش کیا اور افواج پاکستان کو مزاحمت پر مجبور کیا تھا۔۔؟ غیروں کے اکسانے پر کون سے ہاتھ ہیں جو آج بھی پاکستانی سفیر سمیت سینکڑوں فوجیوں کو قید کر کے بھاری قیمت وصول کرنے کے بعد انہیں چھوڑ دیتے ہیں یا قتل کر دیتے ہیں۔۔۔ کیا یہاں یہودی، عیسائی یا ہندو اقوام آباد ہیں! نہیں، مرنے اور مارنے والے سب کے سب کلمہ گو مسلمان ہیں۔ ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ مسئلہ صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ رواداری جو ہمارے رسول محتشم ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے روا رکھی ہمارا دامن اپنے بھائیوں کے لئے بھی اس سے خالی ہوگیا ہے۔ ہمارے اندر تحمل، برداشت اور ایثار کے جذبات تیزی سے ختم ہورہے ہیں۔

☆ آج ہماری طرف انگلیاں اٹھ رہی ہیں تو اس کا سبب خود ہم بھی ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں اور کس نبی کی شریعت کو ڈنڈے کے زور پر پھیلا رہے ہیں؟ کیا نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کا یہی طریقہ قرآن و سنت نے ہمیں سکھایا ہے؟ سرحد کے کئی مقامات پر حجاموں کی دکانوں کو اس لئے مسمار کیا جاتا ہے کہ یہاں کوئی ''شیو نہ کروائے۔ بازاروں میں گارمنٹس کی دکانوں کو اس لئے بند کروادیا جاتا ہے کہ عورتیں خریداری کے لئے باہر نہ نکلیں اور انکے بقول ''غیر شرعی'' لباس نہ خرید سکیں۔ تعلیمی ادارے اس لئے ختم کروادیئے گئے ہیں کہ وہاں سے علم حاصل کر کے لوگ ''روشن خیال'' اور بچیاں تعلیم حاصل کر کے ماڈرن نہ بن جائیں۔ انہیں یہ کون بتائے کہ اسلام کو تعلیم اور جدت سے کوئی خطرہ نہیں، جہالت سے خطرہ ہے۔ ہٹ دھرمی، ضدی پن اور سفاکیت کا اسلام یا پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت سے کوئی تعلق نہیں۔

''حُسنِ زندگی''

محترم اختر محمد مکی صاحب نے انتہائی محنت کے ساتھ ایک کتاب ''حُسنِ زندگی'' تحریر کی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے والے قاری کو اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ لہذا جملہ رفقاء و اراکین، وابستگان، عہدیداران اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ یہ کتاب مرکزی سیل سنٹر پر دستیاب ہے۔ (ادارہ)

سامعین ذی وقار! اسلام کو باہر سے اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اسے بادشاہت اور جہالت کے ذریعے اندر سے نقصان پہنچا ہے جمہوریت، شورائیت، تعلیم و تفکر اور عدل و انصاف اسلامی ریاست کی اساس ہیں مگر مسلمان بادشاہوں نے آمریت جہالت اور ظلم کے ذریعے اسلام کا چہرہ داغدار کئے رکھا۔ یہ تو بھلا ہو ان بے لوث علماء و مشائخ کا جنہوں نے ہر دور میں علم، معرفت اور عدل و انصاف اور مذہبی رواداری کا علم بلند کئے رکھا۔ لیکن افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ آج اِلا ماشاء اللہ ہمارے دور زوال میں بیشتر مفتی، علماء اور مشائخ ہی آمریت کو سپورٹ کرتے ہیں کیونکہ ان کے مزموعہ مفادات کا تحفظ اسی نظام میں ممکن ہے۔

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

احیائے اسلام کی جدوجہد سے وابستہ کارکنان کی خصوصیات

پروفیسر محمد رفیق

تجدید دین و احیائے اسلام اور اصلاح احوال کا عظیم مصطفوی مشن ''مصطفوی انقلاب'' ہر کارکن کے خون میں سرایت کر چکا ہے مگر ہمیں یہاں انقلاب کے مفہوم سے آشنا ہونا از حد ضروری ہے۔

انقلاب۔۔ روحِ زندگی

i۔ انقلاب چند مبہم خواہشات اور آوارہ جذبات کا نام نہیں بلکہ روح زندگی ہے۔ انقلابی شخص کی زندگی میں مایوسی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اسے کامیابی کا سو فیصد یقین ہوتا ہے۔ وہ ذرے ذرے سے گلستان و خیابان اگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہ ہو

اشتراکی لیڈر لینن اور سٹالن آہنی عزم و ارادے کے مالک اور فکر وعمل کی قوتوں کے اعتبار سے غیر معمولی لوگ تھے۔ انہوں نے انقلابی فلسفہ وفکر کو پوری قوت کے ساتھ ہر سمت پھیلا دیا۔ انقلابی تصور کو دلوں میں راسخ کرنے کے لئے انسانی نفسیات سے پوری طرح باخبر ہونا چاہئے۔ جب تک نظریہ کے ساتھ محبت شدید سے شدید تر نہ ہو جائے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جان و مال، صلاحیتوں، اوقات اور مصروفیات کا کچھ حصہ وقف انقلاب ہونا چاہئے۔ انقلابی تصور ہمہ وقت متحضر رہنا چاہئے۔ دینی اجتماعات میں شرکت صرف حصول برکت کے لئے ہی نہ ہو۔ عبادت محض رسوم بن کر نہ رہ جائیں بلکہ انقلاب کی طرف بڑھنے کا ذریعہ بنیں۔

یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر
جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہو جائے

قوت لایموت پر اکتفا کر لیا جائے۔ انقلابیوں کا اصل سرمایہ قوت کردار ہے۔ ہر شخص کردار کا ایسا پہاڑ بن جائے جس کے ساتھ چلنا لوگ فخر محسوس کریں۔ عام سیاسی کارکنوں اور انقلاب کے مدعیان کے مزاج اور کردار میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

انقلاب۔۔ توازن کا متقاضی

ii۔ انقلاب پہلے من میں آتا ہے پھر تن اس سے متاثر ہوتا ہے البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ انقلابی روح کا ظہور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں متناسب انداز سے ہو۔ تبدیلی کا عمل اگرچہ ہمہ جہت ہونا چاہئے لیکن اس میں توازن برقرار رکھنا بھی از بس ضروری ہے۔ صرف جوش و جذبہ، باقاعدگی اور نظم و ضبط جیسی صلاحیتیں ہی بیدار نہ ہوں بلکہ عبادات میں کیف و سرور اور معاملات میں دیانت کا عنصر بھی اجاگر ہو۔

Scanned with CamScanner

انقلاب۔۔ خلوص و قربانی کا متقاضی

iii۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ایبدل الدین وانا حی ''کیا میرے جیتے جی دین میں تبدیلی کردی جائے یہ نہیں ہوسکتا''۔ کاش ہم میں بھی یہ جذبہ بیدار ہوجائے لیکن اس کے لئے پہلے دین میں پورے کا پورا داخل ہونا پڑتا ہے پھر ایسے Committed اور Dedicated لوگوں کی ایک معتبر جماعت فراہم ہوجائے تو چیلنج کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ انقلاب کے باب قربانیوں سے رقم کئے جاتے ہیں۔

؎ کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اس راہ میں سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر ہی کندن بنایا جاسکتا ہے۔

Where there is a will there is a way

؎ سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

عزم صمیم ہو اور قوت ارادی سے کام لیا جائے تو پہاڑ بھی سٹ کر رائی بن جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.

(العنکبوت، ۲۹: ۶۹)

؎ ڈھونڈنے والوں کو ہم دنیا بھی نئی دیتے ہیں

نماز۔۔ انقلابیوں کی پہچان

iv۔ کسی کے مرتبہ و مقام کا اندازہ اس کی ذہانت اور علم سے نہیں بلکہ نماز سے ہوتا ہے جو معراج مومن ہے۔ یہی مرتبہ احسان تک پہنچاتی ہے جو اصل غایت عبادت ہے جس قدر نماز کامل ہوگی اسی قدر مرتبہ بھی بلند ہوگا جس دین کے غلبے کے لئے کام کرنا ہے نماز اس کا ستون ہے۔ ستون کے بغیر چھت کیسے قائم رہ سکتی ہے ورنہ معاملہ یہ ہوگا کہ

؎ برگ و خس بیاوردیم و شاخ آستاں گم شد

قوموں کے زوال کا آغاز نمازوں کی ضیاع سے شروع ہوا۔ جلسے جلوسوں، میٹنگ اور اجتماعات میں شرکت کے باعث نمازوں کو کسی صورت میں بھی قضاء نہ کیا جائے۔ ورنہ ساری چلت پھرت اور بھاگ دوڑ رائیگاں چلی جائے گی۔ تجدید دین و احیائے اسلام کا کام کرنے والوں کی شیرازہ بندی نماز سے ہوتی ہے۔ مصطفوی انقلاب کے سپاہیوں کا امتیازی نشان نماز کی پابندی ہونا چاہئے اور نماز باجماعت کے لئے مسجد سے رابطہ رکھا جائے۔

نصب العین کے ساتھ تعلق کی مضبوطی

؎ اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

i۔ جذباتیت سے کبھی کبھی ہی کام لینا چاہئے۔ تحریکی کارکنوں کے لئے عقل سلیم، دین کا گہرا شعور اور اس کی بالا دستی قائم کرنے کی جدوجہد کے جملہ مراحل اور لوازمات کا پورا علم ہونا از بس ضروری ہے ورنہ میدان عمل میں کئی فتنے جنم لے سکتے ہیں جو بالآخر تحریک کی ناکامی پر منتج ہوتے ہیں۔ محض سخن سازی اور انشاء پردازی سے کام نہیں چل سکتا۔ جوش و جذبہ اپنی جگہ لیکن بہر حال ہوش مندی کا تقاضا ہے کہ معاملات کو ٹھنڈے دل سے سوچا جائے اور حکمت عملی سے کام لیا جائے۔ اس ضمن میں بزرگوں کی سرپرستی سے بے اعتنائی اور اس کا انکار انسانی زندگی کی حقیقتوں کے انکار کے مترادف ہے کیونکہ وہ گرم سرد چشیدہ ہوتے ہیں۔

ii۔ جدید تعلیم یافتہ معاشروں میں چونکہ عقل کا دور دورہ ہے اس لئے کسی بات کی حقانیت ظاہر کرنے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ یہ دین کی بات ہے یا فلاں

بزرگ نے فرمائی ہے بلکہ دلیل اور حجت سے ثابت کرنا ہوتا ہے البتہ نیم خواندہ اور ان پڑھ طبقات میں عقل کی بجائے جذبات کو اپیل کرنا زیادہ سود مند ہوتا ہے۔ دعوت میں عقلیت اور جذباتیت کا حسین امتزاج ہونا چاہئے۔ انجمنیں، ادارے اور جماعتیں حصول مقصد کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں نہ کہ خود ایک مقصد۔ جب یہ خود نصب العین بن جائیں تو پھر جماعتی اغراض کی خاطر دین کے مسلمات بھی تبدیل ہونے لگتے ہیں۔ تاویلوں کا سہارا شروع ہوجاتا ہے، اصل نصب العین نہ صرف نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے بلکہ یہ شعور بھی باقی نہیں رہتا کہ سارا طرز عمل کہیں اپنے ہی نظریات کے خلاف تو نہیں۔

iii۔ جس طرح فوجی سپاہی سپہ سالار کے ہر حکم کی بلاچون و چرا اطاعت کرتے ہیں اور حکم کی حکمت پر بحث و تکرار کرنے نہیں بیٹھ جاتے اسی طرح مرکز کی جانب سے آمدہ سرکلرز میں مندرج ہدایات کی علتیں اور تفصیلات معلوم کرنا ضروری نہیں ہوتا ورنہ شکوک و شبہات، اعتراضات اور جوابی اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ کارکن انہی مقدمات میں الجھ کر رہ جائیں گے اور نصب العین نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔ ان احکامات کو معمولی سمجھ کر نظر انداز بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ تربیت کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ نصب العین کے ساتھ تعلق کمزور پڑنے سے نہ صرف اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ کسی شخص کی اپنی ترقی بھی رک جاتی ہے اگر تعلق کا یہ گراف گر کر صفر پر پہنچ جائے تو پھر وہی شخص ایک کٹی پتنگ کی مانند ہے جسے کوئی بھی لوٹ سکتا ہے۔

تزکیہ نفس

i۔ قلوب بھی زمین کی طرح ہوتے ہیں جن میں نیکی اور بدی کے پودے اگتے ہیں۔ کبھی نیکیوں کی بہار آجاتی ہے اور ہر سمت پھول ہی پھول دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی بدی اور برائی کی جھاڑیاں اگ آتی ہیں انہیں آغاز ہی میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے ورنہ جنگل بن جائے تو صاف کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کشتِ دل بدی کی جھاڑیوں سے صاف ہوجائے تو ساری قوت نیکی کے پودے کو پروان چڑھانے پر صرف ہوکر برگ و بار لاتی ہے۔ قلب و نفس کی اسی صفائی کے اہتمام کا نام تزکیہ ہے۔

ii۔ ہم عمر بھر خواہشات کی تتلیوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ نہیں آتیں۔ توجہ مادی اشیاء پر ہی مرکوز ہوجائے تو سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں شل ہوجاتی ہیں اگرچہ یہ دنیا اپنی اندر بلا کی جاذبیت رکھتی ہے لیکن اس کی بھول بھلیوں میں کھوجانا انتہا درجے کی نادانی ہے۔ غوروفکر کی عادت اپنانی چاہئے، انسان کے سامنے تفکر و تدبر کے بہت سے میدان ہیں۔

؎ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

انقلابی گروہ کی پہچان

بدکردار ار بدقماش لوگوں کو دنیا کی اس چراگاہ میں چرنے چگنے کی مہلت بس اتنی دیر تک ہے جب تک کہ ایک صحیح انقلابی گروہ تیار نہیں ہوجاتا۔ اس گروہ کی پہچان یہ ہے کہ ہر فرد کو اپنا مقصد اور منزل زندگی سے زیادہ عزیز ہوجاتی ہے۔

یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو اب بھی جاء الحق وزھق الباطل. کا منظر دیکھا جاسکتا ہے۔

ترجیحات کا تعین ضروری ہے

کام معمولی نوعیت کا ہو یا مہتم بالشان، کرنے والا عام آدمی ہو یا کوئی عظیم شخصیت، پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اوقات کار کی تقسیم اور ترجیحات کا تعین از حد ضروری

ہے۔ منصوبہ بندی کے بغیر دوران جدوجہد وسائل اور توانائیاں بلامقصد ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ آغاز کار ہی سے اگر اس کا اہتمام نہ کرلیا جائے تو معمولی کام بھی سالوں پر محیط ہوسکتا ہے پھر بھی کامیابی کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی ہے۔

ہر کارکن داعی ہے

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ کَانَ اٰیَۃً "مجھ سے جو کچھ تم سنتے ہو آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو"۔ یہ ارشاد نبوی ﷺ ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے۔ ہر کارکن بنیادی طور پر داعی ہے۔ اس کا کردار اور گفتار اس کے طرز عمل کا گواہ ہونا چاہئے۔ دعوتی کام کے لئے صرف چند معروف اشخاص پر ہی انحصار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر فرد دعوت دین کو اپنا فریضہ سمجھ لے۔ احیائی تحریکوں نے قابل قدر دعوتی مواد فراہم کردیا ہے۔ اب یہ باہمت کارکنوں کا کام ہے کہ انقلابی دعوت کو آگے پھیلائیں تاکہ اجالے نکھر کر سامنے آجائیں۔

؎ یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

ہر کارکن ذاتی رابطے بڑھائے

۱۔ ہر تحریکی ساتھی لوگوں سے ذاتی ملاقاتوں اور رابطوں کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ اپنے اوپر لازم کرلے۔ تعصب کو پس پشت ڈال کر ائمہ اور خطبا سے خصوصی رابطے کرکے انہیں مشن کی طرف راغب کیا جائے۔ پبلک مقامات مثلاً ریلوے اسٹیشن، بس سٹاپ باغات اور کھیل کود کے میدانوں میں بھی رابطوں سے گریز نہ کیا جائے۔ اپنا پیغام پہنچانے کے لئے جدید سے جدید اور معاشرے میں رائج طریقہ استعمال کیا جائے۔ پروقار انداز سے خاموش مظاہرے بھی اپنے اندر بڑی کشش رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسروں کو تبدیل کرنے کا کام بڑا صبر آزما ہے۔ ہولے ہولے، دھیرے دھیرے، میٹھے میٹھے، پیارے پیارے انداز کی ضرورت ہوتی ہے۔

؎ زعشق تابہ صبوری ہزار فرسنگ است

اس میدان کار زار میں صداقت، امانت اور صبر وتحمل ہی اصل ہتھیار ہیں دل تشدد اور دہشت گردی سے نہیں تصوف اور محبت سے بدلتے ہیں اس کے لئے چیتے کا جگر چاہئے اور شاہین کا تجسس، نتائج پیدا کرنے ہیں تو مشن میں اپنے آپ کو مکمل طور پر Involve کرنا ہوگا۔

افراد کی بجائے نصب العین کو ترجیح دیں

۱۔ عہدیدار خواہ کسی بھی سطح کا ہو آخر انسان ہوتا ہے اس سے غلطی کا صدور بھی ممکن ہے اور شیطان کے بہکاوے میں آکر کوئی غلط موقف بھی اختیار کرسکتا ہے، نگاہیں کام پر مرکوز رہنی چاہئیں۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں تو دوسروں کی تنقیص اور تعریف میں غلو نہیں کرنا چاہئے۔ تعلق مشن سے ہونا چاہئے بصورت دیگر شخصیات کے ناپسندیدہ طرز عمل کے باعث بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں تو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اندریں حالات ردعمل بڑا شدید ہوتا ہے حتی کہ مشن سے برگشتہ ہوکر آدمی دین سے بھی پھر جاتا ہے۔ بعض لوگ تحریکی کام کا آغاز تو بڑے زور شور سے کرتے ہیں اور بہت جلد نمایاں مقام بھی حاصل کرلیتے ہیں لیکن جلد ہی شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ قیادت سے طریق کار کا اختلاف کرکے مشن سے الگ ہوکر

؎ خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

کا مصداق بن جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک تحریکی کارکن کا تو یہ کردار ہونا چاہئے کہ وہ بابانگ دہل اعلان کرسکے کہ

؎ ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغ ندامت

۲۔ خوابوں اور سرابوں کی وادی سے نکل کر حقائق کی دنیا کا سامنا کرنے کے لئے تیاری کی جائے۔ نہ تو اپنے آپ کو Under estimate کیا جائے اور نہ ہی Over estimate۔ جہاں خوش فہمیاں قوت کار کو متاثر کرنے کا سبب بنتی ہیں وہاں مایوسیاں مکمل تباہی کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔ چھوٹی بڑی ہر کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے اسے اپنا کمال نہ سمجھا جائے اگر کہیں عارضی طور پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو حسن نیت کے باعث یہ ناکامی بھی دراصل کامیابی ہی ہوتی ہے۔

بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو دے سکا

یہ خیال بھی رہے کہ کہیں معنوی ارتداد واقع نہ ہوجائے۔ ہر وقت شعوری طور پر مراقبہ اور محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہیں مایوسیاں پسپائی کی طرف رخ نہ موڑ دیں۔

۳۔ نصب العین کا ہمہ وقت استحضار تحریکی زندگی کے ناگزیر لوازمات میں سے ہے کیونکہ زندگی کی جملہ سرگرمیوں کی قدر و قیمت کا تعین اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ مرکزی جدوجہد یعنی نصب العین کے گرد کس قدر گھومتی ہیں۔ تجربات اور مشاہدات اس بات کے گواہ ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ درمیانی نوعیت کے مقاصد ذہنوں پر تسلط حاصل کرلیتے ہیں اور اصل مقصد نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس دوران بعض اوقات اپنے ہی نصب العین کے خلاف کام کرتے رہنے کا شعور بھی نہیں رہتا یا پھر حصول مقصد کے ذرائع ہی بذات خود نصب العین کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ ایسی دلدل ہے جس سے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

خوشی اور غمی کے موقع پر خدا پرستی کا مظاہرہ

تہواروں میں شرکت معاشرتی اور مذہبی ضرورتوں کے پیش نظر ناگزیر ہوتی ہے لیکن خوشی و غمی کے مواقع پر بھی خدا پرستی ہی کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔ اسراف و تبذیر سے جہاں انفرادی طور پر پرہیز لازمی ہے وہاں اجتماعی سطح پر بھی اس کی روک تھام کرنا ضروری ہے کیونکہ تہواروں کے موقع پر اکثر احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ عام لوگوں سے اس کے صدور پر تو کوئی انگلی نہیں اٹھاتا لیکن دین کے علمبرداروں کا یہ عمل انہیں عوام کی نظر سے گرادیتا ہے۔ چند امور جن کا خیال رکھنا ہمہ وقت از بس ضروری ہے قابل توجہ ہیں۔

۱۔ کتاب انقلاب (قرآن) سے خصوصی شغف ہونا چاہئے۔
۲۔ بری صحبت اور بری کتابوں سے پرہیز کیا جائے۔
۳۔ نفس و شیطان کے فریبوں سے آگاہی حاصل کی جائے۔
۴۔ مادیت اور لادینیت کی طوفانی لہروں سے بچنا اور دوسروں کو بچانا ضروری ہے۔
۵۔ غرور کی آمیزش سے پاک عاجزی و انکساری کا اظہار ہو۔
۶۔ ریاکاری سے مکمل اجتناب کیا جائے۔
۷۔ حلال ذرائع سے حصول رزق کا بندوبست ہونا چاہئے۔
۸۔ خدمت خلق کو کسی حال میں ترک نہ کیا جائے۔
۹۔ تعلّی اور تحزب (گروہ بندی) سے پرہیز کیا جائے۔
۱۰۔ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کیا جائے۔
۱۱۔ مشکوک معاملات سے پرہیز اور واضح احکامات پر عمل درآمد کیا جائے۔
۱۲۔ بدگمانیوں اور شکوک و شبہات کا بروقت تدارک کرنا لازمی ہے۔
۱۳۔ چالبازیوں اور مغالطہ انگیزیوں سے اجتناب برتا جائے۔
۱۴۔ فیصلے واضح اور دوٹوک ہونے چاہئیں ان میں دھندلا پن اور دورخی نہ ہو۔

انقلابی تیاری

قبل از وقت تصادم سے ہمیشہ پرہیز کرنا

چاہئے ورنہ تحریک کچلی جاتی ہے۔ اس راہ کا مسافر ہمہ وقت کشمکش سے دوچار رہتا ہے۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک عوام کو اس کی ضرورت محسوس نہ ہو۔۔۔ ایک پیاس نہ لگ جائے۔۔۔ اس پیاس کو بھڑکانے کے لئے دن رات کام کرنا ہوگا۔۔۔ سوچنے کے انداز بدلنا ہوں گے۔ اصل قوت چونکہ نظریہ ہوتا ہے لہذا انقلابی نظریہ کا فروغ اور پرچار از بس ضروری ہے اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لئے جملہ ذرائع کو بروئے کار لانا ہوگا۔ آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر ہی قوم کندن بنتی ہے انقلاب کے لئے قربانیاں درکار ہیں۔

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے دن
خونفشانی بھی ہے لازم اشک فشانی کے ساتھ

ایسی تربیت مطلوب ہے جس سے نظریات، عقائد، افکار، کردار، اخلاق، شب و روز حتی کی حرکات و سکنات سب میں تبدیلی آجائے۔ من میں ایک آگ لگ جائے۔ افراد پھول ہیں اور قوم مانند فصل بہار۔ چند پھول مرجھانے سے موسم میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ افراد کے روحانی اور جسمانی قویٰ اجتماعی انقلابی زندگی کے مقاصد کے لئے وقت ہونے چاہئیں۔ من کی دنیا انقلاب آشنا ہوجائے تو اس کی جھلک کردار میں نمایاں ہوتی ہے۔ اعضاء وجوارح اس کی گواہی دیتے ہیں۔ انقلابی روحوں کی وضع قطع، ایک ایک جنبش اور ایک ایک حرکت ان کی سوچ کی آئینہ دار ہوتی ہے یہی اصلی اور نقلی کی پہچان ہے ورنہ اس دور میں لفظ انقلاب ہر خاص وعام کے ورد زبان ہوچکا ہے۔

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

افتراق و انتشار سے پرہیز

اپنے آپ کو صبغۃ اللہ کے ابدی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں۔ کثرت سے وحدت کی طرف سفر جاری رہنا چاہئے۔ زبان، رنگ ونسل اور علاقائی بتوں کو توڑ کر مصطفوی بننے اور مصطفوی انقلاب بپا کیجئے۔ نفرتوں سے پرہیز اور محبتوں کو عام کیجئے۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

محبت اور نفرت میں پھیلنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے انقلابی نظریئے کو معتدل بنانے کے لئے دوسری اشیاء کا رشتہ اس کے ساتھ جوڑ دیں ان سے بھی محبت ہوجائے گی معاملات میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے تو انتشار و افتراق کو در آنے کا موقع نہیں ملتا۔ آپس میں جڑیں اور بنیان مرصوص بن جائیں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے زبان کے غلط استعمال سے کلیتاً پرہیز برتنا لازمی ہے کیونکہ یہ حصائد الالسنہ ہے یعنی وہ کھیتیاں جو آخرت میں کاٹنا ہوں گی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو بھی یاایھا الذین امنوا کے تحت رکھا کبھی یا ایھا الذین نافقوا کہہ کر مخاطب نہیں کیا تاکہ پردہ فاش نہ ہو اگرچہ ان کا نفاق، انفاقِ مال، جہاد اور نماز کے مواقع پر سستی اور عدم دلچسپی سے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ پس معمولی آدمی کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے کیونکہ

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

محبت کے فروغ کے لئے سلام، مصافحہ اور معانقہ کو عام کیجئے۔ اختلاف برائے اصلاح مذموم نہیں بلکہ محمود ہے بایں معنی کہ اس سے معاملات نکھر کر سامنے آجانے اور درست نتیجے پر پہنچنے میں مدد ملتی ہے لیکن اختلاف کی صورت میں باغیانہ خیالات کے ساتھ مجبورانہ

اطاعت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے بس اس بات کا خیال رہے کہ اختلاف مخالفت میں تبدیل نہ ہونے پائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حسن خلق سے بڑھ کر قابل قدر کوئی چیز نہ ہوگی۔ اسی پر عمل پیرا ہوجائیں تو انتشار کے راستے بند ہوجاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں اگر کہیں رنجش پیدا ہو بھی جائے (ایسے صحابہ کے درمیان بھی ہوجایا کرتا تھا) تو اسے جلد دور کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ دوسرے ساتھی مل کر صلح صفائی کرادیں۔ بدگمانیاں انتشار کا پیش خیمہ ہوتی ہیں ان سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے۔ تعلقات کی بنیاد نیک گمانی پر ہونی چاہئے۔ خواہ مخواہ ٹوہ میں لگے رہنا اور دوسروں کے بارے میں تجسس کرنا ناپسندیدہ خصائل ہیں۔ چالبازیاں اور مغالطہ انگیزیاں نفرتوں کا باعث بنتی ہیں۔ شکوک و شبہات کی فضاء دیمک کی طرح اندر سے اجتماعیت کو کھوکھلا کردیتی ہے۔ قیادت پر بھرپور اعتماد اور جذباتی وابستگی اتحاد کی قوت کا راز ہے۔

وسیع تر دائرے میں انتشار و افتراق کو روکنے اور اتحاد کی فضاء پیدا کرنے کے لئے طعن و تشنیع کی زبان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دین کی خدمت کرنے والے کسی بھی گوشے سے تعلق رکھتے ہوں انہیں اپنا حریف نہ سمجھنا اگرچہ طریق کار کا اختلاف ہو اور اچھے کام کی تعریف کرنا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ خواہ عملی طور پر کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مخالفت سے لوگ ضد میں آجاتے ہیں اور راہ ہدایت کی طرف آنے کے راستے بند ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً اہل اقتدار کے بارے میں اس روش کا ردعمل انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ تنقید مثبت اور خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ ہونی چاہئے۔ ورنہ امت میں مزید بگاڑ پیدا ہوگا اور گروہ در گروہ ہوکر بکھرتی جائے گی۔ جسد ملت سے ناکارہ افراد کو کاٹ پھینکنے کی بجائے ان کے علاج کی فکر کرنی چاہئے۔

سفر انقلاب سے آگاہی

پرجوش راہی رسم و راہ انقلاب اور پیش آمدہ مشکلات سے عدم واقفیت کی بنا پر آغاز میں تو اکثر و بیشتر بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں لیکن آبلہ پائی کے باعث ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ سارا جوش و جذبہ پانی کا ایک بلبلہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک عام مسلمان اور انقلابی کارکن کی زندگی کے معمولات، فکر ونظر کے زاویے، میل جول کے گوشے اور موضوع گفتگو مختلف ہونا چاہئے تاکہ حالات کی ناسازگاری جذبات کو سرد کرنے کی بجائے مہمیز کا کام دے۔ کارکن پہلے سے زیادہ سرگرم ہوجائیں جیسے جیسے مشکلات بڑھتی جائیں اسی تناسب سے اوقات اور جان و مال کا زیادہ حصہ مشن کے لئے وقف ہوتا چلا جائے۔

یہاں دھونس دھاندلی اور تشدد سے کام نہیں نکالا جاسکتا، بات کو اپیل اور دلیل کے ذریعے منوانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حرام کی غذا پر پلنے والا جسم انقلاب کی آگ کا ایندھن نہیں بن سکتا۔ رزق حلال کا اہتمام اس دور میں اگرچہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ صبر و استقامت درکار ہے پھر اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کردیتا ہے۔ حصول رزق کے ناجائز میدانوں میں منہ مارنے والے نہ صرف اپنی منزل کھوئی کرتے ہیں بلکہ انقلاب کے راستے میں بھی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ آغاز سفر سے پیشتر مصائب و آلام کا نقشہ پوری طرح آنکھوں کے سامنے ہونا چاہئے۔ اس راہ میں ثابت قدمی اور مستقل مزاجی درکار ہے۔ یہ تھڑ دلوں کے کرنے کا کام نہیں کچھ سرپھروں اور پرعزم لوگوں کا مقام ہے۔

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر ایک مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

جادۂ حق کے مسافر عزیمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے پرخطر وادیوں کو عبور کرتے چلے جاتے ہیں، مشکل پسند طبیعت کے مالک ہوتے ہیں، صحرا نوردی کرتے ہوئے خارمغیلاں کو خاطر میں نہیں لاتے، رخصتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، عیش و عشرت کے قریب نہیں پھٹکتے کیونکہ انہیں فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرنا ہوتی ہے۔

تپتی راہیں مجھے پکاریں
پاؤں پکڑے چھاؤں گھنیری

گھنی چھاؤں کی طرف قدم نہیں اٹھتے بلکہ تپتی راہوں پر دیوانہ وار دوڑتے جاتے ہیں وہ پرخار وادیوں میں سوئے منزل رواں دواں رہتے ہیں۔

انقلاب کا تصور ذہنوں سے اتر کر دلوں میں جاں گزیں نہ ہو تو طبیعت جمود و تعطل کا شکار ہو جاتی ہے۔ جملہ تقاضے پورے کئے بغیر من پسند نتائج حاصل نہیں ہوتے، لہذا مایوسیاں (Depression) جنم لیتی ہیں۔ انقلابی تقاضے پورے کرنے کے لئے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے، کبھی اہل و عیال پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں اس لئے اپنے متعلقین کو آغاز ہی میں ہم سفر بنالینا چاہئے ورنہ قدم قدم پر رکاوٹیں محسوس ہوں گی۔ راہ وفا میں جان بھی چلی جائے تو سودا مہنگا نہیں بمصداق فرمانِ قرآنی ذالک الفوز الکبیر. (البروج، ۸۵:۱۱) یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔ غزوہ تبوک کے تفصیلی حالات کا مطالعہ کرنے سے ایک انقلابی جماعت کا پورا لائحہ عمل اور اس راہ کی مشکلات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مدینہ کی قیمتی فصل کھجوریں پک کر تیار ہو چکی ہیں، ایسے موقع پر چھوڑ کر چلے جانا گویا اپنے آپ کو سال بھر کی کمائی سے محروم کردینے کے مترادف ہے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ جہاد میں شرکت بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور معذوروں کو چھوڑ کر سب پر لازمی کردی گئی تھی۔ گرمی کا موسم اپنی پوری شدت پر تھا اور ایک ماہ کا پیدل سفر، چندہ کی اپیل ہوئی تو ایثار و قربانی کے نئے باب رقم ہوگئے۔ یہی وہ موقع تھا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر پیش کردیا۔ بایں ہمہ سارے لشکر کے لئے زادِ سفر تیار نہ ہوسکا، راستے میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہوگیا حتی کہ سواری کے جانور بھی ذبح کرکے کھالئے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور پر گزارہ کرنا پڑا، واپسی پر ساتھ نہ جانے والوں کی جواب طلبی کی گئی، منافقین نے بہانے بنائے تو ان سے تعرض نہ کیا گیا جبکہ غفلت برتنے پر تین مخلص صحابیوں کی گرفت ہوگئی۔۔۔ سوشل بائیکاٹ کردیا گیا۔۔۔ اس دوران صحابہ کرام نے جس طرح نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا وہ بھی اپنی مثال آپ تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان تین مخلص صحابیوں کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کردیا۔

امید کا چراغ جلتا رہے تو مایوسیاں قریب نہیں پھٹکتیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اندھیری رات سے سپیدہ سحر نمودار کردیتا ہے، اس کے لئے کچھ بعید نہیں وہ چشم زدن میں انقلاب کے لئے فضاء سازگار بنادے۔ ہمارا کام جدوجہد جاری رکھنا اور اس کی نصرت کے بھروسے پر آگے بڑھتے رہنا ہے۔

اے آندھیوں سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم

❀❀❀❀❀❀❀❀

تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز کا مشترکہ

ورکرز کنونشن

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

محفل سماع // مجلس ختم الصلوۃ علی النبی ﷺ

تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز کا مشترکہ ورکرز کنونشن مورخہ 5 جولائی کو بغداد ٹاؤن، ٹاون شپ میں منعقد ہوا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس پروگرام کی صدارت کی جبکہ تحریک منہاج القرآن کی سپریم کونسل کے صدر محترم صاحبزادہ حسن محی الدین قادری اور ممبر سپریم کونسل محترم صاحبزادہ حسین محی الدین قادری مہمان خصوصی تھے۔ امریکہ سے آنے والے تحریک خالصتان کے صدر سردار گنگا سنگھ ڈھلوں نے بھی اس پروگرام میں خصوصی طور پر شرکت کی۔ ان کے علاوہ آستانہ عالیہ کوٹ مٹھن شریف سے محترم خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ، محترم خواجہ قطب الدین فریدی اور محترم خلیل الرحمٰن چشتی بھی معزز مہمانوں میں موجود تھے۔ ناظم اعلیٰ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، نائب ناظم اعلیٰ محترم شیخ زاہد فیاض، سفیر یورپ محترم علامہ حافظ نذیر احمد، ممبر سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن برائے نارتھ امریکہ محترم فہیم انور رندھاوا، ناظم امور خارجہ محترم جی ایم ملک، محترم اختر رسول، محترم خواجہ محمد جنید، معروف شاعر محترم انوار المصطفیٰ ہمدمی اور جملہ مرکزی قائدین بھی معزز مہمانوں میں شامل تھے۔ ملک بھر سے تحریک منہاج القرآن کے کارکنان و عہدیداروں کے علاوہ منہاج القرآن ویمن لیگ کی ہزاروں خواتین شریک تھیں۔

نماز مغرب کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نعت مبارکہ بھی پیش کی گئی۔ کنونشن سے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر رحیق احمد عباسی اور نائب ناظم اعلیٰ شیخ زاہد فیاض نے خطاب کرتے ہوئے کارکنان کو ورکنگ پلان اور دیگر تنظیمی امور کے حوالے سے بریف کیا۔ منہاج یوتھ لیگ کے صدر محمد بلال مصطفوی نے کمپیئرنگ کی جبکہ معروف شاعر انوار المصطفیٰ ہمدمی نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو اپنے مخصوص انداز میں دعوت خطاب دی۔ اس موقع پر ملک بھر سے آئے ہزاروں کارکنان نے بھرپور نعروں کے ساتھ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا استقبال کیا۔

خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

''تحریک اور کارکن کا رشتہ'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا کہ تاریخ انسانی کا ہر دور اپنے اپنے حالات کے مطابق تحریکوں کے ساتھ بھرا پڑا ہے۔ تحریک ہمیشہ ایک مقصد کے لئے ہوتی ہے۔ اس کی ایک منزل ہوتی ہے۔ اگر تحریک کا مقصد کارکنانِ تحریک کی نظروں سے اوجھل ہوجائے تو وہ تحریک، تحریک نہیں رہتی، بنیادی سرمایہ، افرادی قوت، توانائیاں، محنتیں منتشر ہوجاتی ہیں۔ تحریک کا ہمیشہ منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہنا اس صورت

Scanned with CamScanner

ممکن ہے جب کارکنان کی نظروں سے تحریک کا مقصد/ منزل اوجھل نہ ہو۔

تحریک اور اس کے کارکنان کا رشتہ منزل کے ساتھ کیا ہے؟۔۔۔ وہی رشتہ ہے جو ایک نمازی کا رشتہ قبلہ سے ہے۔۔۔ اگر چہرہ قبلہ سے پھر جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ نماز کی تمام ماقبل شرائط پوری کرلیں مگر رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ دوران نماز بھی چہرہ کا قبلہ سے پھرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ جب نماز سے باہر نکلنا چاہتے ہو تو چہرہ کو دائیں بائیں پھیرنے (سلام) سے نماز سے نکل جاتے ہو۔ پس اس طرح کارشتہ کارکنان کا تحریک کے مقصد اور منزل کے ساتھ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے قبلہ نمازیوں کے لئے کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ کیا کسی ایک سمت، جہت کو مقرر کرنا اللہ کی ذاتی ضرورت/ حاجت ہے؟۔۔۔ نہیں۔۔۔ کیا اللہ کو اپنی عبادت کے لئے کسی قبلہ کی ضرورت ہے؟ نہیں۔۔۔ اللہ کو کسی جہت کی حاجت نہیں ہے۔ عبد، معبود کے درمیان عبادت ایک رشتہ ہے۔ قرآن پاک میں جابجا ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْ وَجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِب

کبھی فرمایا: لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبِ.

کبھی فرمایا: اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ.

اس کے باوجود قبلہ کیوں بنایا؟۔۔۔ سمت مقرر کیوں کی؟۔۔۔ یہ سمجھانے کے لئے کہ اگر نماز جیسا عظیم عمل بغیر کسی سمت کی طرف متوجہ ہوئے بغیر قبول نہیں تو دیگر اعمال بغیر کسی مقصد/ منزل کے تعین کے کرتے رہو تو وہ اعمال کیسے قبول ہوسکتے ہیں۔ نماز کی قبولیت کی شرط جہت قبلہ مقرر کردی ہے تو اگر تمہاری زندگی کی جدوجہد، سعی، کاوشیں اور سوچیں، تحریک کی منزل و مقصد سے ہٹ جائیں تو اس کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ نگاہیں منزل/ مقصد سے ہٹانے سے مشکلات آتی ہیں۔ دنیا میں موافقت کا ماحول بھی جنم لیتا ہے اور مخالفت بھی آتی ہے مگر تحریک کا کارکن اپنی نگاہیں اپنے مقصد سے نہیں ہٹاسکتا۔

اس وقت قومی و بین الاقوامی سطح پر مختلف ایشوز پیدا کرنے کا مقصد قوم کو یکجہت اور یکسو ہونے سے روکنا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ.

یہ محبتیں ضرورت بھی ہیں اور آزمائش بھی۔۔۔ مال ضرورت بھی ہے اور آزمائش بھی۔۔۔ اولاد ضرورت بھی ہے اور آزمائش بھی۔۔۔ بیویاں ضرورت بھی اور آزمائش بھی۔۔۔ اقتدار ضرورت بھی ہے اور آزمائش بھی۔ ایک درجہ کے اندر رہنے تک وہ ضرورت اور اس درجہ کے باہر نکل جانے سے وہ آزمائش اور فتنہ ہے۔ حالات کے تغیر سے حکمت عملی تبدیل ہوتی رہتی ہے مگر منزل وہی رہتی ہے۔ حکمت عملی اور منزل کے فرق کو ملحوظ رکھیں۔ شکوک وشبہات اسی سے جنم لیتے ہیں۔ نماز میں آپ نے کئی حالتیں تبدیل کیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، یہ تمام حکمت عملی کی تبدیلیاں ہیں مگر منزل/ مقصد ایک ہے اور چہرہ قبلہ (مقصد) ہی کی طرف ہے۔ جب قرآن پڑھنا تھا تو کھڑے ہوکر ادب سے پڑھا۔۔۔ تسبیح کا وقت آیا تو جھکادیا۔۔۔ حضور ﷺ پر سلام کا وقت آیا ادب سے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم دیا۔

یاد رکھ لیں کہ پائیدار صرف دلوں پر حکومت ہے اور دلوں پر حکومت صرف کردار ہی سے ممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری حیات مبارکہ میں مختلف حکمت عملیاں اختیار کیں مگر منزل ایک ہی رہی۔ میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ،

جنگیں، ہجرتیں یہ سب حکمت عملی کی تبدیلیاں ہی ہیں۔

کارکنان یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ حالات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ایشوز میں نہ الجھنا ہے اور نہ ان سے ٹکرانا ہے۔ آپ کے عظیم مقصد کے سامنے یہ سب چھوٹے چھوٹے بونے ہیں۔۔۔ یہ وہ مسافر ہیں جن کی منزل اقتدار کے سوا کچھ نہیں۔

ہمارا کسی جماعت کے ساتھ کوئی Clash نہیں۔۔۔ ادھر ادھر کی چکا چوند روشنیاں میں دل کو نہ لگائیں، یہ عارضی روشنیاں ہیں۔۔۔ جگنو چمکتا بھی ہے اور پھر بجھ بھی جاتا ہے۔ آپ اپنی تمام تر توجہات تنظیم سازی، کارکن سازی، ماڈل شہروں میں لگادیں۔ گوشہ درود کے حلقہ جات کا یونین کونسل تک جال بچھادیں۔ عرفان القرآن کورسز کا اجراء ہر جگہ پر ہو۔ اجتماعی اعتکاف کی تیاری

الحمد للہ تحریک منہاج القرآن مادیت زدہ دور میں ہر مخالفت کے باجود اپنا عظیم سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس سفر میں کارکنان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کارکنان پہلے سے زیادہ محنت کر کے تحریک منہاج القرآن کے پیغام کو قریہ قریہ، نگر نگر اور گھر گھر جا کر پھیلائیں۔ ان شاء اللہ ایک دن آئے گا جب ظلمت کی اندھیری شب چھٹ جائے گی۔

یہ بات یاد رکھ لیں کہ پاکستان قائم رہنے کیلئے بنا ہے اور بفضل تعالیٰ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ آج جو لوگ اسکی سالمیت کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں وہ نہیں رہیں گے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بظاہر آزاد اسلامی ممالک میں سے بیشتر اپنی پالیسیوں میں آزاد نہیں رہے بلکہ غیر ملکی سامراج طاقتوں کے آلہ کار بن کر رہ گئے ہیں۔ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی خادم اور ورکر وہ ہے جو حالات و واقعات اور زمانے کے تغیرات سے متاثر نہ ہو بلکہ ہر طرح کے حالات میں اپنی منزل کی جانب گامزن رہے۔ ایک سازش کے تحت آج دہشت گردی کو اسلام کے ساتھ نتھی کر دیا گیا ہے اور سامراجی طاقتیں اسلام کو بدنام کرنے کیلئے مختلف اقدامات میں معروف عمل ہیں۔ تحریک کے ورکرز امن کے پیامبر کے طور پر اپنا مثالی کردار دنیا کے سامنے رکھیں اور تقویٰ و طہارت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوق کے کام آنے کے عمل کو بھی جاری رکھیں اور ان کے دلوں میں گھر کریں۔ دہشت گردی، انتشار اور تفرقہ کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ اسلام حقیقتاً مذہب امن ہے۔

نئی ذمہ داریاں

اس موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے درج ذیل احباب کو مختلف مرکزی ذمہ داریاں تفویض کرنے کا اعلان فرماتے ہوئے انہیں خصوصی مبارکباد دی۔

۱۔ محترم سردار منصور خان (ناظم تنظیمات)، ۲۔ محترم فاطمہ مشہدی (صدر ویمن لیگ)، ۳۔ محترم ڈاکٹر تنویر اعظم سندھو (ناظم تربیت)، ۴۔ محترم پروفیسر سلیم احمد (نگران ناظم تربیت)، ۵۔ محترم میاں عبدالقادر قادری (مرکزی کوآرڈینیٹر) حلقہ ہائے درود/ عرفان القرآن کورسز، ۶۔ محترمہ سمیرا رفاقت (ناظمہ ویمن لیگ)، ۷۔ محترم بلال مصطفوی (صدر یوتھ)، ۸۔ محترم ظہیرالدین گجر (سیکرٹری جنرل یوتھ)، ۹۔ محترم ذیشان بیگ (صدر MSM)، ۱۰۔ محترم ساجد گوندل (سیکرٹری جنرل MSM)

محفل سماع

ورکرز کنونشن کے معاً بعد محفل سماع کا اہتمام تھا۔ محفل سماع کے انعقاد اور انتظامات کا سہرا حسب سابق منہاجینز کے سپرد تھا جنہوں نے ناظم منہاجینز محترم علامہ رانا محمد ادریس قادری اور محترم جواد حامد کی زیر نگرانی تمام امور کو احسن طور پر انجام دیا۔ محفل سماع کا باقاعدہ آغاز شب ساڑھے گیارہ بجے تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس موقع پر محترم قاری ظہیر احمد اور محترم قاری اللہ بخش نقشبندی نے تلاوت قرآن پاک کا شرف حاصل کیا۔ محترم محمد افضل نوشاہی نے درود پاک اور نعت مبارکہ پیش کی۔

محفل سماع کے پہلے حصہ میں برصغیر پاک و ہند کے قوال استاد نصرت فتح علی خان کے شاگرد اور بھتیجے محترم راحت فتح علی خان اور ہمنوا نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھے گئے کلام "دم ہما دم علی علی"۔۔۔ ''سانسوں کی مالا پہ سمرو میں''۔۔۔ اور دیگر کلام بڑی محبت سے پیش کیے۔ محفل سماع کے پہلے حصہ کے اختتام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے محترم راحت فتح علی خان کی تاجپوشی کی۔ یہ تاج تحریک منہاج القرآن کی طرف سے محترم راحت فتح علی خان کی قوالی کے لیے خدمات کو سراہتے ہوئے پیش کیا گیا۔ اس سے قبل تحریک منہاج القرآن کی نظامت دعوت کی طرف سے صاحبزادہ حسین محی الدین قادری کو شادی کی مبارکباد کے طور پر تاج پہنایا گیا اس کے علاوہ صاحبزادہ حماد مصطفیٰ قادری المدنی کی بھی تاجپوشی کی گئی۔ تاجپوشی کی اس رسم کو محترم پیر خلیل الرحمٰن چشتی نے ادا کیا۔

محفل سماع کے دوسرے حصہ میں ملک پاکستان کے نامور قوال محترم شیر علی اور محترم مہر علی نے اپنے ہمنواؤں کے ساتھ قوالیاں پیش کیں۔ انہوں نے "تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا"۔۔۔ ''میرا پیا گھر آیا''۔۔۔ ''آؤ تسبیح صبح و شام کریں''۔۔۔ ''پکارو شاہ جیلاں کو پکارو''۔۔۔ سمیت کئی قوالیاں پیش کرتے ہوئے داد وصول کی۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے شیر علی اور مہر علی کی بھی تاجپوشی کی اور ان کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ محفل سماع کی نقابت کے فرائض محترم حافظ آصف علی نے انجام دیئے۔

مجلس ختم الصلوۃ علی النبی ﷺ

محفل سماع کے بعد گوشہ درود کی ماہانہ مجلس ختم الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروگرام ہوا۔ اس موقع پر گوشہ درود میں پڑھے جانے والے درود پاک کی رپورٹ پیش کی گئی۔ جس کے مطابق ماہ جون میں پڑھے جانے والے درود پاک کی تعداد 27 کروڑ 80 لاکھ 8 ہزار 7 سو 37 ہے جبکہ ٹوٹل تعداد 5 ارب 14 کروڑ 48 لاکھ 10 ہزار 709 ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے رقت آمیز دعا فرمائی۔ دعا کے فوری بعد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی امامت میں نماز فجر ادا کی گئی۔ شرکاء نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام کے گجرے پیش کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

❀❀❀❀❀❀

Scanned with CamScanner

صاحبزادہ حسین محی الدین قادری کی شادی خانہ آبادی

تقریب ولیمہ میں

وزیراعظم پاکستان سمیت جملہ طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے نمایاں افراد کی خصوصی شرکت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے بیٹے محترم صاحبزادہ حسین محی الدین قادری کی شادی گذشتہ ماہ 27 جون کو منعقد ہوئی۔ قبل ازیں گذشتہ سال ان کا نکاح مدینہ منورہ میں ہو چکا تھا جس میں عرب علماء و مشائخ نے خصوصی شرکت کی تھی۔ دعوت ولیمہ 28 جون کو ہوئی۔ جس میں وزیراعظم پاکستان محترم سید یوسف رضا گیلانی نے خصوصی شرکت کی۔ علاوہ ازیں تقریب ولیمہ میں ملک بھر سے سیاستدانوں، ٹیکنوکریٹس، وکلاء، ڈاکٹرز، علماء و مشائخ، فنکار اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے معززین تشریف لائے۔

مرکزی سٹیج پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، صاحبزادہ حسین محی الدین قادری، صاحبزادہ حماد مصطفیٰ قادری المدنی، وزیراعظم پاکستان محترم سید یوسف رضا گیلانی، صاحبزادہ حسن محی الدین قادری، الحاج علامہ نزیر احمد، گولڑہ شریف کے گدی نشین محترم پیر سید نصیر الدین نصیر، لاہور میں امریکی قونصلیٹ محترم ڈاکٹر برائن ڈی ہنٹ، سابق وزیر خارجہ محترم خورشید محمود قصوری، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور محترم اعجاز الحق، سابق وزیر اعلیٰ پنجاب محترم میاں افضل حیات، سابق گورنر پنجاب محترم خالد مقبول، سابق وزیر آئی ٹی پنجاب محترم عبدالعلیم خان، سابق رکن قومی اسمبلی اور جماعت اسلامی کے رہنما محترم فرید پراچہ، سابق وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کے بیٹے اور ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب محترم مونس الٰہی، ممتاز صحافی و تجزیہ نگار روزنامہ پاکستان کے چیف ایڈیٹر محترم مجیب الرحمٰن شامی، پاکستان لاء کالج کے پرنسپل و ممتاز قانون دان محترم پروفیسر ہمایوں احسان، سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت میاں میر محترم مخدوم سید چن پیر گیلانی، آیت اللہ آغاء جسٹس حسن رضا غدیری (ایران)، سجادہ نشین درگاہ عالیہ اجمیر شریف انڈیا محترم مخدوم پیر سید سرور حسین، زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت خواجہ اجمیر (انڈیا) محترم پیر صاحبزادہ بلال احمد چشتی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ حق باہو محترم پیر قمر سلطان امیر افضل، خطیب جامع مسجد داتا دربار محترم پیر علامہ محمد مقصود احمد قادری، پیر طریقت اخوندزادہ محترم پیر حمید اللہ جان سیفی، پیر طریقت محترم میاں محمد حنفی سیفی، پیر طریقت محترم مفتی عابد حسین سیفی، پیر طریقت محترم صاحبزادہ اسد اللہ غالب، محترم پیر صاحبزادہ سعید احمد صابری، پیر طریقت محترم صاحبزادہ علامہ مفتی محمد محب اللہ نوری، پیر طریقت محترم علامہ صوفی محمد علی نقشبندی، محترم علامہ ڈاکٹر محمد عارف نعیمی، محترم صاحبزادہ علامہ محمد شہزاد مجددی، محترم پیر علامہ مفتی صفدر علی قادری، محترم علامہ قاری زوار بہادر، محترم علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر، محترم علامہ حافظ کاظم رضا نقوی، محترم علامہ مشتاق حسین جعفری،

Scanned with CamScanner

محترم آغا مرتضیٰ پویا، تحریک علمائے پاکستان کے سیکرٹری جنرل محترم علی غضنفر کراروی، محترم مولانا عبدالوہاب روپڑی، محترم پیر مخدوم ندیم احمد ہاشمی، شیخ الحدیث محترم علامہ محمد معراج الاسلام، محترم علامہ مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محترم علامہ پروفیسر محمد نواز ظفر، محترم ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، صاحبزادہ بہاول حق (گولڑہ شریف)، محترم علامہ پیر تبسم بشیر اویسی (نارووال)، جماعت اہلحدیث پاکستان کے مرکزی امیر محترم علامہ زبیر احمد ظہیر، محترم میاں اختر رسول، قومی ہاکی ٹیم کے سابق کپتان اولمپئن محترم خواجہ محمد جنید، اداکار محترم فردوس جمال، جیو کے معروف کمپیئر محترم سہیل وڑائچ، اداکار محترم محمد افضل ریمبو، اداکار محترم نسیم وکی سمیت دیگر ممتاز مذہبی و دینی رہنماؤں اور علماء و مشائخ کی کثیر تعداد بھی معزز مہمانوں میں شامل تھی۔

تحریک منہاج القرآن کے مرکزی قائدین اور سٹاف ممبران کے علاوہ اکابرین تحریک منہاج القرآن اور تحصیلی سطح کے عہدیداران نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ بیرون ممالک سے بھی کثیر تعداد میں معزز مہمان شریک تھے۔

وزیر اعظم پاکستان محترم سید یوسف رضا گیلانی کے تقریب میں تشریف لانے کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز محترم قاری اللہ بخش نقشبندی کی تلاوت سے ہوا۔ محترم جمشید اعظم چشتی نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ کیو ٹی وی کے ممتاز کمپئر محترم صاحبزادہ تسلیم صابری نے تقریب کی نقابت کے فرائض سر انجام دیئے۔ اس پرمسرت موقع پر محترم پیر سید نصیر الدین نصیر صاحب نے صاحبزادہ حسین محی الدین قادری کے لیے خصوصی سہرا پیش کیا۔ سہرا پیش کرنے سے قبل انہوں نے کہا کہ نہ میں شاہوں کے لئے قصیدے لکھتا ہوں اور نہ میں کسی کی خوشامد کرنے والا ہوں۔ نہ کسی کے کہنے پر کسی کے لئے کچھ لکھتا ہوں اور نہ میں کوئی درباری شاعر ہوں۔ میرا اپنا ایک مزاج ہے۔ صاحبزادہ حسین محی الدین قادری کا سہرا شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے ساتھ محبت کی وجہ سے خود ان کے کہے بغیر لکھا ہے اور لکھا صرف اس ایک خصوصی نسبت کی وجہ سے ہے جو شیخ الاسلام کو حضور ختمی مرتبت تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاصل ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تمام معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ میں اپنی طرف سے وزیر اعظم پاکستان محترم سید یوسف رضا گیلانی سمیت تقریب ولیمہ میں آنے والے ہر مہمان کو خصوصی طور پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس موقع پر بھی شیخ الاسلام نے محافظ اسلام کا صحیح طور پر کردار ادا کرتے ہوئے امریکی قونصلیٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک پرامن ملک اور اس کے شہری بھی امن پسند ہیں۔ اسلام ہر قسم کی دہشت گردی کیخلاف ہے۔ ہم امن، بھائی چارے اور باہمی محبت کے کلچر پر یقین رکھتے ہیں۔ آج تحریک منہاج القرآن دنیا بھر میں اس پیغام کو عام کر رہی ہے۔ بدقسمتی سے ملک دشمن عناصر نے پاکستان پر دہشت گردی کا لیبل لگا دیا لیکن حقیقت میں ہم پرامن قوم ہیں۔

محترم پیر سید نصیر الدین نصیر شاہ کے بارے میں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آج انہوں نے جو عزیزم حسین محی الدین قادری کا سہرا پڑھا ہے یہ ان کی محبت کا نتیجہ ہے۔ میں اس پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے مختصر اظہار خیال کے بعد وزیر اعظم پاکستان محترم سید یوسف رضا گیلانی

نے صحافیوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ اس موقع پر پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے درجنوں نمائندوں نے ملکی صورتحال کے حوالے سے وزیراعظم سے بات چیت کی۔

شب ساڑھے گیارہ بجے تمام معزز مہمانوں کے لیے ان کی ٹیبلز پر کھانا سجا دیا گیا۔ شیخ الاسلام تقریب ولیمہ میں شامل معزز مہمانان گرامی سے خود ان کے پاس جا کر ملے۔ آپ نے دنیا بھر سے آنے والے جملہ مہمانان گرامی اور علماء و مشائخ کو خصوصی طور پر الگ سے خوش آمدید کہا اور ان کی خیریت دریافت کی۔ اس نشست کا اختتام شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی دعا سے ہوا۔ واپس جانے والے مہمانوں کو تحریک منہاج القرآن کی طرف سے تحریک کے تعارف پر مبنی فلم کی DVD پر مشتمل گفٹ پیک بھی دیئے گئے۔

سہرا۔ برشادی خانہ آبادی عزیزم حسین محی الدین قادری

نورِ نظر محبِ مخلص و محترم جناب ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب زید مجدہٗ

عطائے سرکارِ دو جہاں ہے تو فضلِ ربِ قدیر سہرا
عنایتِ خاص پنج تن کی، نوازشِ دستگیر سہرا

وہ آمدِ نو عروسِ بطحٰی وہ عرش پر تہنیت کے نغمے
تمام دولہوں کا شاہ دولہا، تمام سہروں کا پیر سہرا

جو قلبِ طاہر میں ذاتِ ختم الرسل کی ہے شمعِ عشق روشن
اُسی سے ہے ضو پذیر محفل، اسی سے ہے جلوہ گیر سہرا

دعا ہے لے سب کی سننے والے ہمیشہ بن کر رہے جہاں میں
مسرتوں کی نقیب شادی، محبتوں کا سفیر سہرا

نگاہِ بد سے خدا بچائے، نظر زمانے کی لگ نہ جائے
چمک رہا ہے جبینِ نوشہ پہ مثلِ بدرِ منیر سہرا

جو شاہِ اجمیرؒ مہرباں ہیں تو ملتفت گنج بخش داتاؒ
نتیجۂ لطفِ اولیاء ہے، دعائے پیرانِ پیرؒ سہرا

ہے آج بھی سر پہ سایہ گستر تصرفِ دستِ شاہِ جیلاںؒ
تجھے مبارک کہ ہوگا ثابت ترے لئے دستگیر سہرا

ملی ہے جس دن سے اس کی لڑیوں کو قادری سلسلے کی نسبت
ہے غوثِ اعظمؒ کے خاک بوسوں کی آنکھ میں بے نظیر سہرا

ہے گرچہ مرکز ہر اک نظر کا چمک دمک اور بانکپن میں
نہیں ہے نوشہ کے رُوئے روشن کا پھر بھی عشرِ عشیر سہرا

ہزار کوئی لکھے مگر اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے
جو اپنی جدِ کریم کے اک مرید کا لکھے، پیر سہرا

وکیلِ فائق جو طاہرالقادری تو شاعر نصیر خوش گو
یہ بیت نعم الوکیل شادی، بفضلِ نعم النصیر سہرا

مجھے تلمذ میں اپنے لیتے، ہر ایک مصرع پہ داد دیتے
بچشم استاد دیکھ لیتے اگر انیسؔ و دبیرؔ سہرا

جنابِ طاہر وصول کیجئے کہ آلِ زہراؑ کی بارگہ سے
حسین محی دیں کی شادی پہ کہہ کے لایا نصیرؔ سہرا

نتیجۂ فکر: پیر نصیرالدین نصیر گیلانی
سجادہ نشین درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

تعارف کتب

صاحبزادہ حسین محی الدین قادری

رپورٹ: ایم ایس پاکستانی

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے ممبر صاحبزادہ حسین محی الدین قادری ایک عظیم علمی، دینی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ آپ نے علمی و ادبی صلاحیت اپنے جدِ امجد فریدِ ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ اور اپنے والد گرامیِ قدر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے ورثہ میں پائی ہے۔ آپ نے اِنٹر تک تعلیم پاکستان میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کینیڈا چلے گئے جہاں سے مینجمنٹ اور پولیٹکل سائنس کے موضوع پر YORK یونیورسٹی ٹورانٹو سے گریجوایشن کی۔ بعد ازاں پیرس فرانس کی معروف یونی ورسٹی Sciences-Po سے عالمی معیشت میں MBA کی ڈگری حاصل کی۔ گزشتہ سال جب وطن واپس آئے تو آپ نے لاہور یونی ورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں بطور رِیسرچ فیلو خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔ ان دنوں آپ آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں ''عالمی معیشت اور سیاست'' (Global Political Economy) کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی تکمیل کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر اور تحقیق کا ملکہ راسخہ عطا فرمایا ہے۔ آپ کے مختلف قومی و بین الاقوامی، سیاسی اور معاشی و معاشرتی موضوعات پر اُردو، انگریزی میں کئی آرٹیکل بھی طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کے اس علمی و تحقیقی ذوق کا منہ بولتا ثبوت درج ذیل کتب ہیں۔

1۔ نقشِ اول (شعری مجموعہ)

آپ کی پہلی تصنیف شعری مجموعہ نقش اول تھی۔ یہ جولائی 2007ء میں شائع ہوئی۔ یہ شعری مجموعہ آپ کے 13 سال سے 19 سال تک صرف نوعمری کی سات سالہ قلمی نگارشات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ اس میں آپ نے حمد و نعت، منقبت، تحسین، نظمیں، قطعات، فردیات، غزلیات اور آزاد شاعری سمیت 100 سے زائد کلام جمع کیے ہیں۔ ملک کے نامور شعراء سید الطاف حسین گیلانی اور ریاض حسین چوہدری کی تقاریظ بھی اس میں شامل ہیں۔ شاعر کا جامع تعارف فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ شعبہ ادب کے ناظم ضیاء نیئر نے پیش کیا ہے۔ صاحبزادہ حسین محی الدین قادری نے اس شعری مجموعہ کا انتساب اپنے والد گرامی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے نام کیا ہے۔

2. Stratégie de diversification d'EDF à l'étranger

آپ کا یہ دوسرا علمی شاہکار فرانسیسی زبان میں طبع ہوا ہے۔ اس کتاب کا عالمی معیاری نمبر 978-969-32-0792-7 اور یہ فروری 2008ء میں طبع ہوئی ہے۔اس کتاب میں فرانس کی سب سے بڑی نیم سرکاری کمپنی EDF کے بارے میں بہت مفید معلومات اور چشم کشا حقائق درج کیے گئے ہیں۔ گزشتہ سال فرانس میں تنخواہوں کے مسئلہ پر وقوع پذیر ہونے والے فسادات کی وجوہات کیا تھیں؟ ملازمین کی تنخواہوں کے مسئلے کی اندرونی کہانی کیا تھی؟ حکومت کے EDF کے ساتھ اختلافات کی اصل حقیقت کیا تھی؟ اس سے کتنے لوگ متاثر ہوئے؟ حسین محی الدین قادری نے ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب دینے کے ساتھ ساتھ تجاویز بھی دی ہیں کہ کس طرح ان مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

3۔ پاکستان میں شکر سازی کی صنعت (ایک تحقیقی جائزہ)

اس کتاب میں پہلی بار ملک کی شکر سازی صنعت کو ایک تحقیقی جائزہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں گنے کی پیداوار اور زراعت، کیڑے مار دوائیوں کا مربوط استعمال، گنے کی مڈھی فصل یا ''راٹون'' کی تیاری، شکر کی مرحلہ وار تیاری، تقسیم اور رسد کا چینل، شکر کی پیداوار اور فروخت، مارکیٹ کی حرکیات کا صنعتی جائزہ، شکر سازی کی سیاست، حکومت کا کردار، قواعد و ضوابط اور عمل دخل، بین الاقوامی شوگر منظر نامہ، شوگر انڈسٹری اور حالات حاضرہ، دریافت شدہ نتائج اور تجاویز، چینی کی بازیابی، کیمیائی کھادوں کا استعمال، کسانوں پر عائد فرض، مارکیٹنگ سسٹم، گورنمنٹ ڈیوٹی، صارفین کو کم داموں چینی کی فراہمی، بین الاقوامی منڈی میں پیش کاری، ملک میں گندم کی قلت کی وجہ، خام و گنے کی وافر مقدار کی متنوع تبدیلیاں اور تحقیق اور ترقیاتی منصوبوں پر تحقیقی بحث شامل ہیں۔'' 127 صفحات پر مشتمل کتاب میں مصنف نے لکھا ہے کہ ''پاکستان میں اگرچہ صنعت شکرسازی کا شمار ان شعبوں میں ہوتا ہے جو بہترین منظم کاروباروں میں ایک ہے۔ سردست ملک میں مجموعی طور پر 77 شوگر ملیں مختلف صوبوں میں کام کر رہی ہیں جن میں لاکھوں افراد روزگار سے وابستہ ہیں۔غلط پالیسیوں اور کوتاہیوں کے باعث شکر سازی کی صنعت ہماری معیشت کی ترقی میں نہ صرف یہ کہ قابل ذکر کردار ادا نہیں کررہی بلکہ یہ صنعت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور اس کی بقاء کو خطرات لاحق ہیں۔ ان خطرات سے نکلنے اور فی ایکڑ پیداوار بنانے کے لئے مصنف نے مفید تجاویز بھی شامل کی ہیں۔

4. Sugracane Ethanol (as an Alternate Fuel Source for Pakistan)

آپ کا یہ علمی شاہکار جولائی 2008ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں آپ نے پاکستان میں پٹرولیم کی بڑھتی ہوئی مانگ کے بعد پٹرول سازی صنعت کے متبادل نظام کے طور پر سبزیوں سے تیل کی پیداوار کو پیش کیا ہے۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں اس وقت تک ملکی پٹرولیم کے ذخائر کو مدنظر رکھتے ہوئے مستقبل میں پاکستان کی پٹرولیم پالسی پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب میں پاکستان کی معاشی صورتحال کو دیگر ممالک کے

Scanned with CamScanner

ساتھ موازنہ بھی دیا گیا ہے۔

آج امریکہ اور برطانیہ سمیت تمام ترقی یافتہ ممالک کو پٹرولیم کے بحران کا سامنا ہے۔ دنیا بھر میں جب پٹرولیم قیمتیں150 ڈالر فی بیرل ہونے کی خبریں گرم ہیں تو ایسے میں پاکستان جیسے ملک میں تیل کی کمی ایک ناقابل حل بحران بنتی جا رہی ہے۔ حکومتی پالیسیوں نے اس بحران کو اور بھی سنگین کر دیا ہے۔ اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے ملک کو جن چیلنجز کا سامنا ہے اسے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے 80 صفحات ہیں۔ تمام کتب کو منہاج القرآن پرنٹرز لاہور نے شائع کیا اور یہ مرکزی سیل سنٹر کے علاوہ ملک بھر کے سیل پوائنٹس پر بھی دستیاب ہیں۔

❁❁❁❁❁❁

تعارف ویب سائٹ: منہاج ایجوکیشن سوسائٹی (www.minhaj.edu.pk)

مؤرخہ 2 جون 2008ء کو منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کی ویب سائٹ جاری کی گئی۔ اس ویب سائٹ میں وطن عزیز کو علم کی روشنی سے مستنیر کرنے کے لئے تحریک منہاج القرآن کے تحت جاری کردہ عوامی تعلیمی منصوبہ کو پیش کیا گیا ہے۔

ہوم پیج پر فلیش اینیمیشن سے عوامی تعلیمی منصوبہ کا تصویری تعارف صارف کی دلچسپی کا باعث ہے۔ سرورق کے علاوہ اس ویب سائٹ میں عوامی تعلیمی منصوبہ کا پس منظر، مقاصد قیام، خصوصیات، اہداف، تعلیمی پالیسی، انتظامی ڈھانچہ، مرکزی شعبہ جات، نصاب سازی، سلیبس، ایجوکیشن بورڈ اور سرگرمیوں کے ذیلی روابط دیئے گئے ہیں۔ ان لنکس میں منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے ذیلی شعبہ جات (منصوبہ بندی، ایجوکیشن بورڈ، کریکولم ریسرچ، سٹاف ڈویلپمنٹ، سروسز ڈیپارٹمنٹ اور مالیات) کا تعارفی مواد بھی دیا گیا ہے۔ حال ہی میں ہونے والے سکالرشپ امتحان کے نتائج اس ویب سائٹ کا اہم حصہ ہیں۔

دریں اثناء 2 جون کو ویب سائٹ کی افتتاحی تقریب مرکزی سیکرٹریٹ ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوئی۔ MES کے مینجنگ ڈائریکٹر محمد شاہد لطیف قادری نے ویب سائٹ کا افتتاح کیا اور منہاج انٹرنیٹ بیورو کی ٹیم کو عالمی معیار کے مطابق منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کی بہترین ویب سائٹ بنانے پر خصوصی مبارکباد دی کہ اس ویب سائٹ کے ذریعے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت قائم عوامی تعلیمی منصوبہ اور ملک بھر میں قائم 572 سکولوں کی سرگرمیاں دنیا بھر میں آن لائن ہوگئی ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے تمام سکولوں میں اس ویب سائٹ کا تعارف عام کرنے اور MES کی طرف سے بھی ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ اس موقع پر منہاج انٹرنیٹ بیورو کے ڈپٹی ڈائریکٹر عبدالستار منہاجین کے علاوہ ایم آئی بی کی ٹیم بھی موجود تھی۔ یاد رہے کہ منہاج انٹرنیٹ بیورو کی ٹیم منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کی اس ویب سائٹ کے علاوہ پہلے سے تحریک منہاج القرآن کے مختلف شعبوں کے لئے درجنوں ویب سائٹس بنانے کا اعزاز حاصل کر چکی ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کانفرنس

رپورٹ: مہر محمد آصف اکبر

منہاج القرآن علماء کونسل کے زیر اہتمام سالانہ عظیم الشان سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کانفرنس 10 جولائی کو مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کی جبکہ مہمان خصوصی شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان محترم علامہ سید ارشد سعید کاظمی تھے۔ صدر سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن صاحبزادہ حسن محی الدین قادری، ممبر سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن صاحبزادہ حسین محی الدین قادری اور صاحبزادہ حماد مصطفیٰ قادری المدنی نے خصوصی شرکت کی۔

دیگر معزز مہمانوں میں امیر تحریک مسکین فیض الرحمٰن درانی، ناظم اعلیٰ ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، نائب امیر تحریک پیر سید خلیل الرحمٰن چشتی، نائب ناظم اعلیٰ شیخ زاہد فیاض، ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ للبنات لاہور علامہ ڈاکٹر محمد عارف نعیمی، سرپرست اعلیٰ دارالاخلاص لاہور علامہ شہزاد مجددی، تحریک علمائے پاکستان کے سیکرٹری جنرل علامہ علی غضنفر کراروی، محترم علامہ پیر سید غلام حسین شاہ، محترم علامہ حافظ محمد اکبر شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ کاہنہ نو ممبر سپریم کونسل جمیعت علماء پاکستان، محترم علامہ اشرف سعیدی امیر جماعت اہل سنت لاہور، محترم علامہ قاری محمد حفیظ نقشبندی، حضرت علامہ محمد مشتاق نوری، حضرت علامہ عبدالحق ظفر چشتی، شیخ الحدیث علامہ محمد معراج الاسلام، علامہ مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نواز ظفر، ناظم منہاج القرآن علماء کونسل علامہ سید فرحت حسین شاہ، صدر منہاج القرآن علماء کونسل پنجاب علامہ امداد اللہ خان قادری، مرکزی کوآرڈینیٹر علامہ محمد عمر حیات الحسینی، محترم علامہ محمد حسین آزاد جملہ مرکزی ناظمین تحریک اور دیگر علماء کرام و مشائخ عظام کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

کانفرنس کا آغاز کلام الٰہی سے ہوا جس کی سعادت صاحبزادہ حماد مصطفیٰ قادری المدنی نے حاصل کی۔ بعد از تلاوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کئے گئے۔ پروگرام کی کمپیئرنگ کے فرائض ناظم منہاج القرآن علماء کونسل علامہ سید فرحت حسین شاہ نے سرانجام دیئے۔

اس موقع پر شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان محترم علامہ سید ارشد سعید کاظمی نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور منہاج القرآن علماء کونسل کا مشکور ہوں جنہوں نے مجھے اس تقریب میں شرکت کی سعادت عطا کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اہل سنت کا عالمی سرمایہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہر شریر کے شر، ہر حاسد کے حسد، ہر دشمن کی دشمنی سے محفوظ رکھے۔ انہیں صحت و سلامتی عطا فرمائے اور انہیں اس طرح اسلام کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند اور عظیم تھا آپ رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں کوئی تردد نہیں کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر قدم پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے سب سے زیادہ صحبت آپ کو میسر آئی۔ احادیث مقدسہ میں ہے کہ انسان جہاں دفن ہوتا ہے اس مٹی سے اس کا خمیر اٹھایا جاتا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہم ایک مقام پر دفن ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تینوں مقدس ہستیوں کا خمیر ایک ہی مٹی سے ہے اور وہ مٹی جنت کی ہے۔

کانفرنس سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے خطاب کرتے ہوئے علماء کونسل کو یہ عظیم پروگرام منعقد کروانے پر خصوصی مبارکباد دی اور جملہ علماء و مشائخ بالخصوص محترم صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ یہاں تشریف لائے۔ شرکاء

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا ذکر خود خدا نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان صحابیت کا انکار کفر ہے کیونکہ یہ نص قرآنی کا انکار ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں وہ واحد صحابی ہیں جنہیں "ثانی اثنین" کا لقب ملا۔ قرآن مجید کی پندرہ آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان، مقام، مرتبہ، دفاع اور اللہ کریم کی آپ پر رحمت اور شفقت کا ذکر فرمایا ہے۔ غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں (عمر رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ ابوبکر صدیق کی غار کی ایک رات میری پوری زندگی سے افضل ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت، ادب، وفا اور معیت میں سب سے آگے تھے۔ تمام شیعہ تفاسیر نے بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غار ثور میں حضور ﷺ کی معیت و محبت کے حاصل ہونے کے اعزاز کا ذکر کیا ہے۔ کائنات کے مالک حضور نبی اکرم ﷺ کو پناہ کی حاجت نہیں تھی جو تلواروں کے سائے میں نکل آئے اور کافر نہ دیکھ سکیں تو انہیں پناہ کی حاجت کس طرح ہو سکتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کیوں پناہ لی۔ اللہ کا رسول ڈرتا نہیں، اسے دنیا کا خوف نہیں ہوتا وہ کیوں پناہ لیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کی مکہ کی 13 سالہ محنت اور محبت کا صلہ دینا تھا اور آئندہ کے لئے خصوصی عطا و نوازش کرنا تھی۔ حضور ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی 13 سالہ محنت کا صلہ 3 دن کی صحبت کے ذریعہ عطا فرمایا اور ظاہری وفات کے بعد آئندہ درپیش حالات سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ عطا فرمایا۔ پس آپ عکس نبوت کے مظہر بن گئے۔ یہ وہ عبادت تھی جس کے بدلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ساری عمر کی عبادت دینے کو تیار تھے۔ کانفرنس سے محترم سید علی غضنفر کراروی، اور دیگر علماء نے بھی خطاب کیا۔

دفاع شان سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے موضوع پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

گزشتہ ماہ جون میں ایک عالم دین نے TV پر اپنے بیان کے ذریعے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی شان میں گستاخی کی، جس سے ملک کے طول وعرض میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں "دفاع شان سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (علم حدیث کی روشنی میں)" کے موضوع پر دو نشستوں میں مبنی خصوصی خطاب ارشاد فرمایا۔ دو نشستوں کا یہ خصوصی خطاب تقریباً 11 گھنٹے پر محیط ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 11 گھنٹے سے زائد طوالت پر مشتمل دلائل کے ساتھ ان کے مؤقف کا رد کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کثیر احادیث مبارکہ بیان کیں۔ مذکورہ حدیث کی جرح وتعدیل کے حوالے سے دو راتوں میں مکمل ہونے والا یہ خطاب فن حدیث میں اہل علم کے لئے ایک سرمایہ ہے۔ یہ خطاب نہ صرف اہلسنت کے عقیدہ کے بیان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت اطہارؓ کی محبت و عقیدت سے مملو ہے بلکہ اس میں خارجی فکر اور نظریہ کی اس حقیقت کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے کہ وہ ان کی فکر بغض سیدنا علی واہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر مبنی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کی گستاخی کرنے والوں کی طرف دلیل کی